کنز الایمان
صحیفۂ زبان و بیان
لسانی و ادبی جائزہ
تالیف لطیف
حضرت علامہ مفتی حسن منظر قدیری، گانگی کشن گنج
ناشرین: طلبۂ دار العلوم اعلیٰ حضرت، رضا نگر، کلمنا ناگپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کنز الایمان

صحیفۂ زبان و بیان

لسانی و ادبی جائزہ

تالیف لطیف

حضرت علامہ مفتی حسن منظر قدیری، گانگی کشن گنج

ناشر: دار العلوم اعلیٰ حضرت، رضا نگر، کلمنا ناگپور

نام کتاب : کنز الایمان صحیفۂ زبان و بیان

تالیف لطیف : نازش علم و فن فخر مسند افتاء حضرت علامہ مفتی حسن منظر صاحب قدیری (بہار)

تقریظ : قائد اہل سنت، فخر سیادت حضرت علامہ سید محمد حسینی اشرفی مصباحی صاحب
(سجادہ نشین خانقاہ اشرفیہ شمسیہ، رائچور)

تقدیم : جامع معقولات و منقولات حضرت مفتی ناظر اشرف صاحب قبلہ
(بانی و مہتمم دار العلوم اعلیٰ حضرت، ناگپور)

تصحیح : حضرت علامہ مفتی محبوب رضا صاحب (مدرس دار العلوم اعلیٰ حضرت)

کمپوزنگ : محمد فاروق خاں رضوی (الرضا گرافکس)

ناشرین : طلبۂ دار العلوم اعلیٰ حضرت، رضا نگر، کلمنا، ناگپور

طباعت : الرضا گرافکس، بھالدار پورہ، ناگپور۔ موبائل 9822930155

تعداد : ایک ہزار

: برائے ایصال ثواب :

مرحوم حاجی محمد شفیع صاحب و

مرحومہ حجن نجم النساء زوجہ مرحوم حاجی محمد شفیع

از تسلیم اینڈ کمپنی، دوکان نمبر ۵۸/۵۷/۴۹

زر تعاون ۲۰۰۰ روپئے

ملنے کے پتے ۱) دار العلوم اعلیحضرت، رضا نگر، کلمنا، ناگپور

۲) الرضا گرافکس، بھالدار پورہ، ناگپور

۳) دار العلوم شرفیہ، گانگی، ضلع کشن گنج بہار

تقریظ

از:۔ قائد اہل سنت، فخر سیادت حضرت علامہ سید محمد حسینی اشرفی مصباحی صاحب قبلہ مدظلہ العالی
(سجادہ نشین خانقاہ اشرفیہ شمسیہ، رائچور)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ ہ

بحر العلوم حضرت علامہ مولانا مفتی حسن منظر صاحب قدیری مدظلہ العالی کو میں پچھلے کئی دہائیوں سے جانتا ہوں۔ حضرت مفتی حسن منظر قدیری صاحب جماعت اہلسنت میں ایسی باوقار ذات ہے جنکے سامنے صاحبان علم وفن اپنی گردن افتخار جھکاتے ہیں۔ آپ کا نام علم وعمل کی دنیا میں معتبر نام ہے۔ جو اکابر علماء اہلسنت کے محبوب وپسندیدہ ہیں، خاص کر شہزادہ اعلیٰحضرت تاجدار اہل سنت مفتی اعظم عالم بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منظور نظر رہے ہیں کہ جنھوں نے برسوں بریلی شریف کی درسگاہ میں تعلیم دی اور سیکڑوں قابل قدر متبحر علماء کی جماعت تیار کی، اخلاق واطوار میں بزرگوں کی یادگار، علمی مباحث میں بڑی گہری نظر رکھتے ہیں۔ علوم اعلیٰ حضرت کے ماہر، بددین علماء کے اعتراضات کا علمی اور مسکت جواب دینے کی بھرپور طاقت رکھنے والے عالم اہل سنت کا نام ''مفتی حسن منظر صاحب قدیری'' ہے۔

وہابیہ، دیوبندیہ، جو ہمیشہ سے سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے عظیم الشان ترجمہ قرآن پر لغو اعتراضات کرنے کے عادی رہے ہیں اور عوام الناس کو شبہات میں مبتلا کرنا جن کا شیوہ رہا ہے اور اپنے اکابر کے تراجم کو کنز سے بہتر تشہیر کرنے میں مصروف ہیں۔ بایں ہمہ جماعت اہل سنت کے قابل قدر علماو دانشوران کی جانب سے انکے لغو اعتراضات کے جوابات دئے گئے اور کنز الایمان ودیگر تراجم کے درمیان تقابلی جائزہ پیش فرما کر کنز کی خوبیوں کو اجاگر فرمایا گیا، ان میں علامہ حسن منظر قدیری کا نام نمایاں ہے۔

زیر نظر تالیف مسمیٰ ''کنز الایمان صحیفہ زبان وبیان'' جسے میرے مشفق قدیم کرم

فرما حضرت علامہ مفتی محمد ناظر اشرف صاحب مدظلہ العالی بانی و ناظم دار العلوم اعلیٰ حضرت، کلمنا، ناگپور نے تقریباً پوری کتاب پڑھ کر سنایا جو مجھے بہت پسند آئی کہ مفتی علام نے کنز الایمان اور اشرفعلی تھانوی کے ترجمہ قرآن کے درمیان تقابلی تجزیاتی مطالعہ پیش فرما کر دعوت غور و فکر دی ہے اور جس خوش اسلوبی و علمی دیانت کے پیرائے میں آپ نے تقابل پیش فرمایا ہے وہ یقیناً آپ ہی کا حق وحصہ ہے۔

کرم فرما حضرت مفتی ناظر اشرف صاحب کی دعوت پر میں کشن گنج بہار کی عظیم الشان کانفرنس میں حاضر ہوا تھا وہاں متعدد علماء کرام سے ملاقاتیں ہوئیں ان میں حضرت علامہ حسن منظر قدیری صاحب سے ملاقات بھی شامل ہے۔ میں آپکی تبحر علمی شخصیت سے پہلے ہی متاثر تھا ملاقات اور علمی گفتگو کرنے اور آپکی تالیف جدید دیکھ کر میں اس قدر متاثر ہوا کہ میرا قلبی وجدان یہی کہتا ہے کہ یہی علماء وارثین علوم نبوت ہیں۔ ان علماء کرام کی دینی خدمات میں خرچ ہونے والی سیاہی انبیاء بنی اسرائیل اور جو راہ خدا میں جہاد کرتے ہوئے شہادت کی منزل پر فائز ہوئے ہیں ان پر نمایاں مقام رکھتی ہے۔

خدائے تعالیٰ ہماری جماعت کے ایسے عظیم الشان علماء کرام کو مصائب روزگار سے محفوظ رکھ کر تادیر قائم رکھے۔ اور ان میں حضرت علامہ مولانا مفتی حسن منظر صاحب قدیری کے سایہ کرم کو جماعت اہل سنت پر مدتوں قائم و دائم رکھے اور حضرت والا سے زیادہ سے زیادہ علمی و دینی خدمات لے اور قبول فرمالے۔

فقط

خادم علماء اہل سنت

سید محمد حسینی اشرفی مصباحی

سجادہ نشین حضرت قطب رائچور و چیف ایڈیٹر ماہنامہ سنی آواز، ناگپور

تقدیم

جامع معقولات ومنقولات، حکیم الملت حضرت علامہ مفتی ناظر اشرف قادری دامت برکاتہم العالیہ
(بانی دار العلوم اعلیٰ حضرت، رضا نگر، کلمنا، ناگپور)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت العلام مفتی منظر قدیری صاحب قبلہ گوناگوں خوبیوں کے مالک ہیں وہ سرکار مفتی اعظم عالم قدس سرہ کی صحبت میں برسوں رہ کر فقہ کی زلف برہم کو سنوارنے کا کام کر چکے ہیں۔ دار العلوم مظہر اسلام (بریلی شریف) میں تشنگان علوم کی پیاس بجھانے کے فرائض انجام دے چکے ہیں۔ وہ ژرف نگاہ ادیب ہیں اور فلک شگاف خطیب بھی ! وہ علوم عروض پر دستگاہ کامل رکھتے ہیں اور فنون لطیفہ پر نظر دقیق بھی! وہ حدیث وتفسیر پر ید طولیٰ رکھتے ہیں اور نحو وصرف، معانی وبلاغت پر خداداد صلاحیت بھی! وہ چیتے کا جگر رکھتے ہیں اور شاہین کا تجسس بھی ! وہ ملنسار ہیں اور خلیق بھی ! وہ تقویٰ شعار ہیں اور ہر دلعزیز بھی ! بلکہ یوں کہا جائے کہ افق پورنیہ پر مفتی صاحب کا وجود ایک نعمت غیر مترقبہ ہے وہ کسی بھی دقیق مسئلہ کے حل کیلئے پہلے ہر زاویہ سے سوچتے ہیں، پھر اسکے بعد ان کا قلم سیال صحیح سمت کی طرف رواں دواں ہو جاتا ہے۔ انھوں نے "کنز الایمان کا ادبی ولسانی جائزہ" جن آیات باہرات پر پیش فرمایا ہے انکی تعداد تقریباً دو درجن ہے۔ اور کنز کی جن خوبیوں کو اجاگر کرتے ہوئے فرقہ وہابیہ کے سرغنہ کی حدیث وتفسیر، معانی وبلاغت اور زبان وادب کی زبردست خبر لی ہے۔۔۔۔ یہ انہی کے عقابی روح کا خاص حصہ تھا اور ہے۔۔۔۔ میری فرمائش پر انھوں نے کنز الایمان صحیفہء زبان وبیان کا ایک نسخہ ڈاک کے ذریعہ بھیج دیا۔ میں نے جائزہ لیا تو طباعت اولی میں کتابت کی بہت ساری غلطیاں نظر آئیں۔ تقطیع کا فقدان کتاب کے حسن وجمال پر غبار ڈال رہا تھا۔ اور حوالجات کی عدم تخریج کا نقص ارباب حل وعقد کے دل ودماغ کو جھنجھوڑ رہا تھا۔ میں نے حتی الوسع کتاب کی شایان شان طباعت کی بھرپور کوشش کی تاکہ ہند

وپاک کے صنادید کی بارگاہوں میں بھی مقبول ہو جائے۔ بہر حال میں عرض کرونگا کہ مفتی علام نے کنزالایمان کے جن ادبی محاسن کی طرف اپنے قلم حقیقت رقم کو مہمیز دیا ہے اگر مکمل کنزالایمان کا حریفوں کے تراجم سے تقابلی و تجزیاتی مطالعہ فرما کر صفحۂ قرطاس پر بکھیر دیں تو آنے والی نسلوں کیلئے ایک عظیم دستاویز ہوگی اور مفتی علام کے لئے توشۂ آخرت بھی !!!

ایں دعاء از من واز جملہ جہاں آمین باد

فقیر ناظر اشرف قادری

(بانی ومہتمم دارالعلوم اعلیٰ حضرت، ناگپور)

۱۸؍دسمبر ۲۰۰۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف آغاز

میری بساط علمی ہی کیا ـــــــ؟ کہ امام احمد رضا قدس سرہ کے علمی وادبی شہکار ترجمہ قرآن ''کنزالایمان'' پر کوئی تبصرہ لکھوں جسمیں آیات قرآنی کا شگفتہ وشستہ اسلوب، جامع ومختصر بیان اور سادہ وعام فہم الفاظ میں سلیس وبامحاورہ ترجمہ کیا گیا ہو۔

اپنی بے بضاعتی کے احساس کے باوجود چونکہ اللہ کے فضل، رسول کی عنایت اور امام احمد رضا کے فیضان پر بڑا اعتماد تھا ـــــــ میں نے قلم اٹھایا اور جستہ جستہ ترجمہ کا لسانی وادبی جائزہ لیا اور اسکے محاسن کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ـــــــ یہ اک گونہ تقابلی جائزہ بھی ہے اور تقابل میں دیوبندی مکتب خیال کے ایک بڑے عالم مولانا تھانوی کے ترجمہ کو رکھا۔ میرا مقصد اس پر تبصرہ کرنا نہیں کہ یہ میرے موضوع سخن کے خلاف ہے مگر کھلتے گلاب کے ذکر میں کانٹوں کا بیان بھی آجاتا ہے تاکہ حسن کا صحیح اندازہ لگایا جاسکے چیزیں اپنی اضداد سے پہچانی جاتی ہیں اسلئے روشنی کے ساتھ اندھیرے کا تذکرہ بھی آجاتا ہے کہ روشنی کی قدر و قیمت کا احساس ہو۔

میں اس لسانی وادبی جائزہ لینے میں کہاں تک کامیاب ہوسکا ہوں اسکا فیصلہ قارئین کے ذمہ ہے ـــــــ ہوسکتا ہے مجھ سے کہیں قلمی لغزش ہوگئی ہو تو مجھے معاف کرتے ہوئے آگاہ کردیں ـــــــ فقط

منظر قدیری

کشن گنج (بہار)

۲۵/جمادی الاخریٰ ۱۴۲۳ھ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ
نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّيۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوۡلِهِ الۡكَرِيۡمِ ٥

صحن چمن میں جب گلاب کا کوئی خوبصورت شگوفہ تبسم ریز ہوتا ہے تو اسکی شگفتگی سے پورا صحن مہک اٹھتا ہے ـــــ خوشبو، پیرہن گل سے نکل کر نرم و نازک ہواؤں کے ہمراہ ہو جاتی ہے اور سارا عالم احساس عطر آگہن ہو جاتا ہے۔

لطیف و نازک پنکھڑیاں، جب دعوت نظارہ دینے لگتی ہیں تو نگاہیں ان کو مختلف زاویوں سے دیکھتی ہیں قدرت کے موئے قلم کی صورت گری ہے ـــــ فطرت کی رعنائی ہے ـــــ بہاروں کی بے مثال دلکشی ہے اور فطرت کے موئے قلم نے کیا ہی نازک ولطیف برگ گل تراشے ہیں ـــــ اس طرح نہ جانے کتنے حسین ولطیف جذبات مستی میں انگڑائیاں لینے لگتے ہیں۔

قدرت کی اس عظیم صناعی وصورت گری کے مناظر کو دیکھنے والا مختلف زاویہ نظر سے دیکھتا ہے، حکیم اپنی ماہرانہ نگاہ ڈالتا ہے اور سوچنے لگتا ہے کہ پھولوں کی نازک پتیوں میں علاج انسانی کی حیرت انگیز تاثیر موجود ہے۔ فلاسفر جب اپنی غور وفکر کی نظر ڈالتا ہے تو کائنات گل کی تخلیق اسے دوسری دنیا میں پہونچا دیتی ہے ـــــ اور جب کوئی عاشق زار نظارہ گل سے لطف اندوز ہوتا ہے تو اس آئینہ گل میں اپنے محبوب کا عکس رخسار دیکھتا ہے۔

قرآن عظیم ایک صحیفہ الٰہی ہے اور رب قدیر کی آخری کتاب ہے مگر جب انداز نگاہ بدلتا ہے تو معنی و بیان کے صد رنگ نمودار ہو جاتے ہیں ـــــ نقطہ نظر کے اختلاف سے معنویت کے سیکڑوں باب کھل جاتے ہیں اور جب نگاہوں کے زوایے بدلتے ہیں تو نظاروں کا رنگ بھی بدلتا دکھائی دیتا ہے۔

امام غزالی نے فلسفیانہ نظر سے قرآن عظیم کو دیکھا تو انہیں فلسفہ کی کتاب نظر آئی۔ امام رازی نے جب منطقی انداز سے دیکھا تو انہوں نے ایک منطق کی کتاب محسوس کی۔ امام

اعظم نے فقہی نگاہوں سے نظر فرمایا تو قرآن کریم ایک فقہ کی کتاب سمجھ میں آئی۔ اور ارباب تاریخ نے اسے اخبار وقصص کا مرقع قرار دیا۔

غرض کہ سیکڑوں علوم وفنون کے چشمے قرآن پاک سے پھوٹ نکلے مخارج حروف ورعایت وقوف کے لحاظ سے ''فن قرأت'' نام رکھا گیا، اعراب کی حیثیت سے احوال کلمہ میں غور کیا تو اسکا نام ''نحو'' رکھا کچھ اہل زبان نے فصاحت و بلاغت وجوہ اعجاز وحسن بیان کے لحاظ رکھا تو اسکا نام ''علم معانی و بیان'' رکھا۔ غرض کہ چاہے علم صرف ہو کہ علم نحو، علم تفسیر ہو کہ علم کلام، علم فقہ ہو کہ منطق وفلسفہ سارے علوم وفنون کا سرچشمہ قرآن حکیم ہے۔

ایک اللہ کی کتاب، اور اتنے معانی کا سمندر۔ اہل خرد حیراں ہیں اس کائنات معنی و بیان کی وسعت و گہرائی دیکھ کر قرآن بار بار دعوت فکر ونظر دیتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ خدا کا یہ آخری صحیفہ علوم کا انمول خزانہ ہے۔ یہ الٰہی کتاب فنون کا ماخذ ہے۔ علم اخلاق کا سرچشمہ ہے۔ علم توقیت وہیت کا بیش بہاء ذخیرہ ہے۔ طبقات الارض کا جواہر پارہ ہے۔ دھرتی سے گگن تک پھیلی ہوئی اس کائنات کے سارے علوم کا ماخذ یہی قرآن ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان سارے علوم وفنون کے ساتھ قرآن حکیم جو عربی ادب اور زبان و بیان کا ایک بے مثال صحیفہ ہے اسکا ترجمہ کسی دوسری زبان میں ہوسکتا ہے کہ نہیں۔ کیوں کہ جو عرب کے لب ولہجہ زبان واسلوب، روزمرّہ، محاورہ اور ضرب المثل کے طریقہ پر ہو اور عرب اپنی فصاحت وبلاغت کے باوجود اپنی زبان میں اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز رہ گئے تو پھر غیر عربی میں اسکا ترجمہ کیا ممکن ہوسکتا ہے۔؟ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اردو، فارسی، ہندی، انگریزی، زبانوں میں اسکے تراجم موجود ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دوسری زبان میں اسکا ترجمہ ممکن ہے۔

دراصل ہر زبان کا اپنا مزاج ہوتا ہے، محاورے اور ضرب الامثال ہوتے ہیں۔۔ اپنی مخصوص اصطلاحیں ہوتی ہیں ـــــ اسلئے ایک زبان کو دوسری زبان میں منتقل کرنا

آسان نہیں اس راہ میں بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں ـــــ کسی زبان کے ہم معنی لفظ کو دوسری زبان میں تلاش کرنا جو مکمل طور پر اسکی عکاسی کرر ہا ہو اگر نا ممکن نہیں تو دشوار ترین ضرور ہے۔

ایسی حالت میں قرآن حکیم کی عربی زبان کو اردو لباس عطا کرنا کس جان جوکھم میں ڈالنا ہے یہ بات ان ترجمہ نگاروں سے پوچھئے جو اس خاردار مرحلوں سے گزرے اور گزرتے ہیں ـــــ گویا یہ ایک طرح کی سخت مہم جوئی ہے۔ جیسے سنگلاخ زمینوں میں لالہ و گل کی کاشت کرنا۔

آخر کیوں نہ ہو ـــــــــ؟

قرآن کریم سراپا معجزہ ہے الفاظ میں اعجاز، معنی میں اعجاز، حسن ترتیب و بیان میں اعجاز اور ایسا فصیح کلام جس کی مثل لانے سے دنیا ہمیشہ عاجز رہی۔

چنانچہ علامہ طنطاوی جو ایک مصری عالم گزرے ہیں ان کی تفسیر قرآن ''جواھر القرآن'' کے نام سے شائع ہوئی تھی اس تفسیر سے اندازہ ہوتا ہے کہ جدید مغربی علوم وفنون خصوصاً سائنس اور فلسفہ پر ان کی گہری نظر تھی۔ انہوں نے اعجاز قرآن کے سلسلہ میں اپنا واقعہ لکھا ہے۔

''میں جرمنی میں تھا ایک دن وہاں کے چند مستشرق دوستوں کے ساتھ (یعنی عربی زبان اور عربی علوم سے دلچسپی رکھنے والے چند جرمن فضلاء کے ساتھ) ان میں سے ایک ممتاز فاضل نے مجھ سے پوچھا کیا آپ بھی عام مسلمانوں کی طرح قرآن کے بارے میں خیال رکھتے ہیں کہ وہ عربیت اور فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے بھی معجزہ ہے ـــــ میں نے کہا ہاں میں اس پر یقین رکھتا ہوں اس نے بڑی حیرت کا اظہار کیا اور کہا میں نہیں سمجھتا تھا کہ تم جیسا صاحب علم اور روشن خیال آدمی بھی ایسا عامیانہ خیال رکھتا ہوگا۔

میں نے کہا اس میں تعجب کی کیا بات ہے یہ تو ایک علمی مسئلہ ہے اور ابھی اسکا امتحان ہوسکتا ہے میں ایک بات کہتا ہوں آپ سب حضرات غور وفکر کر کے اسکو فصیح و بلیغ عربی میں ادا کریں۔ لیجئے وہ بات کیہ ہے کہ جہنم بے حد وسیع ہے ان سب نے دیر تک غور وفکر

کر کے چند جملے بنائے۔

ان جهنم لوسيعة

ان جهنم لفيحة

اور اس سے ملتے جلتے چند اور جملے میرے سامنے رکھدیئے۔ میں نے کہا کہ اور محنت کر لیجئے اور جتنا جی چاہے وقت لے لیجئے، لیکن انہوں نے کہا کہ ہم اپنی محنت اور غور و فکر ختم کر چکے اس کے بعد میں نے کہا اب ذرا دیکھئے قرآن مجید نے اس مضمون کو کس طرح ادا کیا ہے۔

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ۝

(پارہ ۲۶، سورہ ق، رکوع ۱۶)

علامہ طنطاوی لکھتے ہیں کہ ''جیسے ہی میں نے سورہ ق کی یہ آیت پڑھی چونکہ وہ عربی داں اور سخن شناس تھے اچھل پڑے اور انہوں نے اپنی رانیں پیٹ لیں اور اقرار کیا کہ بے شک ہم عاجز رہے''۔

دنیائے ادب میں بڑے بڑے ادیب و انشاء پرداز پیدا ہوئے مگر آج تک کسی کے کلام میں یہ بات نہ دیکھی گئی کہ جو لفظ جہاں پر رکھ دیا اب اسکی جگہ دوسرے لفظ کی گنجائش نہ ہو ـــــ یہ صرف قرآن حکیم ہی کا اعجاز ہے کہ جو لفظ جہاں پر ہے وہیں آفتاب ہے اگر ذرا سی ترمیم کر دی گئی تو عظیم فرق محسوس ہونے لگے گا ـــــ قرآن پاک میں قلب و فواد ایک ہی معنی کے دو الفاظ ہیں مگر دونوں کا اپنے محل کے اعتبار سے الگ الگ مقتضاء ہے۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ۝

(پارہ ۲۶، سورہ ق، رکوع ۱۷) مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ۝ (پارہ ۲۷، سورہ نجم، رکوع ۵)

اس موقعہ پر قلب کی جگہ فواد اور فواد کی جگہ پر قلب رکھ دیجئے تو معنوی فرق تو نہ ہوگا البتہ وہ تناسب و ربط جو منجانب اللہ وضع میں ہے وہ مفقود ہو جائیگا اور ایک پھسپھسا پن ظاہر ہونے لگے گا۔

عربی زبان وادب ہم ہندوستانیوں کے لئے بہت مشکل ہے اس لئے اس زبان کے حصول کے لئے برسوں ریاضت کی ضرورت ہے جیسا کہ ہر زبان میں اپنے قواعد ہوتے ہیں عربی زبان میں بھی ہیں ۔ اسم، فعل، حرف، مفرد، مرکب، جملہ، کلام، اضافت، وصف، ترکیب، بندش، انداز بیان، اصطلاح، محاورہ اور ضرب الامثال ان چیزوں کو سلیقہ سے پہچاننا اوران میں معنویت کا رنگ بھرنا ایک مشکل امر ہے۔

اردوزبان وادب میں بھی یہ ساری چیزیں ہیں مگر اسکا رنگ جداگانہ ہے اب ترجمہ کے وقت دونوں زبانوں کو ایک دوسرے سے ہم آہنگ کرنا اس ادیب وانشاء پرداز کا کام ہے جو دونوں زبانوں پر عبور رکھتا ہو الفاظ ومعانی اور زبان وادب پر بھر پور صلاحیت رکھتا ہو ـــــ صرف لغات پر بھروسہ نہ ہو کہ اس سے تفہیم معنی میں بسا اوقات گمراہی کا دروازہ کھلتا ہے ـــــ نیز قرآن چونکہ سارے علوم کو محیط ہے اس لئے ترجمہ نگار کو ان کا حقیقی ادراک ہونا چاہئے اور ساتھ ہی ساتھ فیض ربانی اور تائید رحمانی بھی۔

جہاں تک اردوزبان وادب کا تعلق ہے آج خیابان اردوادب رنگ برنگ پھولوں سے لالہ زار نظر آتا ہے اردوزبان وادب کا اپنا ایک وسیع ذخیرہ ہے افعال وضمائر کے علاوہ بڑے پیمانے پر اردوزبان میں استعمال ہونے والے الفاظ ہیں جن کو بڑی آسانی کے ساتھ دوسری زبان کے بالمقابل استعمال کیا جاسکتا ہے۔ شمس، قمر، نجم، ارض، سماء یہ عربی زبان کے الفاظ ہیں۔ جن کا ترجمہ، سورج، چاند، ستارہ، زمین، آسمان سے کیا جاتا ہے اور یہ الفاظ اس مفہوم کی صحیح عکاسی بھی کرتے ہیں زمین وآسمان فارسی کے الفاظ ہیں مگر اردوزبان میں اسطرح گھل مل گئے کہ غیر زبان کا تصور بھی نہیں ہوتا۔

غرض کہ اردوزبان وادب میں عربی، فارسی، ہندی انگریزی وغیرہ کے بے شمار الفاظ ہیں جس سے عروس اردو سنوری اور نکھری ہوئی ہے ایک ترجمہ نگار کو صرف شعور بالغ، وسعت نظر اور ذوق سلیم کی ضرورت ہے کہ وہ خزانہ اردو سے الفاظ کے لعل وگہر کو موقع ومحل

کے لحاظ سے استعمال کرے۔

فارسی ادب میں اسپ، سمند، توسن، رخش وغیرہ الفاظ گھوڑے کا مفہوم ادا کرنے کیلئے وضع کئے گئے ہیں۔ یہ الفاظ اگرچہ مترادف ہیں پھر بھی اپنے رنگ وخوبی کے لحاظ سے مخصوص معنی رکھتے ہیں ـــــ اس لئے ضروری نہیں کہ جس مقام پر چاہیں جس لفظ کو رکھدیں سمند اس بادامی رنگ کے گھوڑے کو کہتے ہیں جس کے بال، دم اور زانو سیاہ ہوں۔ رخش اس گھوڑے کا نام ہے جسکا رنگ سرخ وسفید ہو چنانچہ جوش ملیح آبادی نے برطانوی دور اقتدار میں ''ایسٹ انڈیا کمپنی کے فرزندوں سے خطاب'' کے عنوان سے ایک نظم لکھی، اس وقت جرمنی بھی جنگی شعلوں کے لپیٹ میں تھا اور ہٹلر کی خودسری و درندگی اپنے عروج پر تھی اس نظم کا ایک شعر ملاحظہ کیجئے۔

ہاتھ ہٹلر کا ہے رخش خودسری کی باگ پر
تیغ کا پانی چھڑک دو جرمنی کی آگ پر

اس موقع پر اسپ کی بجائے رخش کا استعمال معنوی خصوصیات کا غماز ہے۔

اردو ادب میں شبنم کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے اور اوس بھی اور یہ دونوں مترادف ہیں لیکن دونوں کا موقع ومحل جداگانہ ہے۔ میر انیسؔ کے اس مصرع کو ملاحظہ کیجئے۔

شبنم نے بھر دیئے ہیں کٹورے گلاب کے

اس موقع پر اسکا مترادف لفظ ''اوس'' بھی ہے مگر ''شبنم'' کی جگہ ''اوس'' رکھ دیجئے تو پورے مصرع پر اوس پڑ جاتی ہے اور اسی ''اوس'' کے لفظ کا استعمال میر انیسؔ کے اس شعر میں ملاحظہ کیجئے۔

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامن صحرا بھرا ہوا

اس فضا کی عکاسی کے لئے ''شبنم'' کی جگہ میں ''اوس'' کا لفظ بہت ہی مناسب ہے۔ غرض کہ ادیب کا ہاتھ جب الفاظ کی نبض پر ہوتا ہے اور وہ ان کی دھڑکن محسوس کرنے

لگتا ہے تو وہ ہر لفظ کو موقع پر اور ہر نکتہ کو اپنے مقام پر رکھتا ہے۔

الحمد للہ امام احمد رضا قدس سرہ میدان ترجمہ نگاری کے شہسوار نظر آتے ہیں کیوں کہ وہ عربی زبان وادب کے ماہر، فارسی ادب کے انشا پرداز اور اردو زبان کے ایک مایہ ناز ادیب ہیں —— علم کا بحر ذخار، فن کا امام اور جملہ اصول وفروع پر انہیں دسترس حاصل، فقہ اسلامی ان کا خاص موضوع، اصول فقہ پر کامل عبور اور علمی وفنی اصطلاحات پر ان کی گہری نظر تھی جیسا کہ ہزاروں صفحات پر پھیلے ہوئے ''فتاوی رضویہ'' سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی عربی الفاظ، اسلوب بیان، لب ولہجہ اور محاورہ کے فہم و ادراک پر بے پناہ قدرت رکھتے تھے اس بات کا واضح ثبوت ان کی گرانقدر تصانیف الدولۃ المکیہ، کفل الفقہ الفاہم، اور جدالممتار سے ملتا ہے —— نیز فقہ، حدیث، تفسیر، فلسفہ ومنطق اور اخبار وسیر کی کتابوں پر ان کے حواشی شاہد عدل ہیں —— ساتھ ہی ساتھ اردو فارسی زبانوں میں بھی ان کے رشحات قلم موجود ہیں جو ان کی بہترین زبان دانی، بے پناہ صلاحیت، خداداد بصیرت اور فکر ونظر کی اصابت کی دلیل ہیں۔

رہی ان کی اردو تصانیف کی بات تو جہاں تک میں سمجھتا ہوں کہ ان کی مشکل پسندی محض اس وجہ سے ہے کہ مسئلہ کی تحقیق فکر ونظر کی تدقیق اپنے مسلک کی تاکید اور باطل کی تردید مقصود ہے اس لئے علمی جلال اور فکر ونظر کا دبدبہ دکھائی دیتا ہے۔

اس علمی انحطاط کے دور میں اگر چہ ان کا فہم وادراک دشوار نظر آتا ہے مگر جس عہد کی وہ یادگار ہیں اس میں علم وفن کا اسی طرح مظاہرہ ہوا کرتا تھا۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ یہ کتابیں جس دور کی پیداوار ہیں فارسی زبان وادب کا رواج تھا فارسی ترکیب وبندش کو حسن کلام میں شمار کیا جاتا تھا لہذا فاضل بریلوی کی تصانیف میں جس دشواری کی جھلک ہمیں دکھائی دیتی ہے زمانہ وماحول کا اثر ہے۔ وہ ہر جگہ اپنے نقطہ نظر کی وضاحت میں عالمانہ شان وشوکت ومفکرانہ جاہ وجلال کے انداز میں نظر آتے ہیں

کیوں کہ کلام الامام امام الکلام ہوا کرتا ہے۔

مگر اس حقیقت پر حیرت ہوتی ہے کہ اردو تصانیف، فہم وادراک کے لئے مشکل ہیں وجہ وہی ہے کہ ان میں فکر ونظر کی باریکیاں ہیں اور جو لوگ فکر ونظر اور علم وفن کی باریکیوں سے نا آشنا ہیں ان کے لئے تو دشوار ومشکل ہونا ہی چاہئے۔ اس کے برعکس ''کنز الایمان'' اسی عہد کا ایک ایمانی وعرفانی گلدستہ ہے مگر فصاحت وبلاغت، روز مرہ اور محاورے کا استعمال کچھ اس انداز سے ہے کہ اسے اردوئے معلّٰی کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ تاج محل اگر سنگ مرمر کی تراشی ہوئی ایک حسین وجمیل عمارت ہے ''کنز الایمان'' الفاظ ومعانی کا تراشا ایک ایمانی تاج ضرور ہے، گلاب اگر کائنات گل میں نزاکت، لطافت، حسن وجمال اور خوشبو کے لحاظ سے اپنا ایک مخصوص مقام رکھتا ہے تو ''کنز الایمان'' نازک الفاظ، لطیف معانی اور ایمان وعرفان کے عطر سے بسا ہوا قرآنی تراجم میں اپنا منفرد مقام رکھتا ہے۔

(مولانا) تھانوی و (مولانا) محمود الحسن دیوبندی کے تراجم اسی عہد کی یادگار ہیں جس عہد میں امام احمد رضا قدس سرہ کا قرآنی ترجمہ ''کنز الایمان'' دنیائے علم وادب سے خراج حاصل کر رہا تھا یہ لوگ معاصرین ہیں اور اتر پردیش میں بولی اور سمجھی جانے والی اردو زبان ان لوگوں کی اپنی زبان ہے ـــــ اس کے باوجود زبان شستگی وشگفتگی سلاست وروانی اور رنگ اسلوب میں بڑا فرق ہے، زبان واسلوب اور لب ولہجہ سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ دیوبندی مکتب فکر کے ان ترجمہ نگاروں کو اردو ادب سے کوئی واسطہ نہ رہا ہو۔ اسی لئے ان کے تراجم میں جہاں روح مطالب کی آشفتگی ہے، وہیں زبان وادب کی تشنگی کا بھی احساس ہوتا ہے ـــــ ملاحظہ فرمائیے (شیخ الہند مولانا) محمود الحسن کے ترجمہ کا ایک نمونہ۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْــًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ (پارہ ۴، سورہ آل عمران، رکوع ۶)

"اور محمد تو ایک رسول ہے ہو چکے اس سے پہلے بہت رسول پھر کیا اگر وہ مر گیا یا مارا گیا تو تم پھر جاؤ گے الٹے پاؤں اور جو کوئی پھر جائیگا الٹے پاؤں تو ہر گز نہ بگاڑے گا اللہ کا کچھ اور اللہ ثواب دے گا شکر گزاروں کو"۔

جملوں کی یہ ساخت، قدیم دور کی یادگار معلوم ہوتی ہے جو آثار قدیمہ یا عجائب گھروں میں رکھی ہوئی ہے۔ اس دور کی زبان و بیان اور لب ولہجہ کا یہ انداز نہیں اور نہ یہ محاورہ کی زبان ہے ـــــ جہاں تک تعظیم رسول کا سوال ہے دیو بندی مکتب فکر اس سلسلہ میں بڑا تنگ نظر و تنگ دل ہے، انبیاء کرام کی شان اقدس کے مطابق ایسا شائستہ و شستہ، مناسب و متبادل لفظ نہیں لاتا جس سے آداب پیغمبری کی جھلک نمودار ہو۔

اسی ترجمہ میں دیکھئے "مر گیا یا مارا گیا" کس بے باکی سے ترجمہ کیا۔ اس کے مقابل امام احمد رضا علیہ الرضوان کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔

"اور محمد تو ایک رسول ہیں ان سے پہلے بھی اور رسول ہو چکے تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید ہوں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو الٹے پاؤں پھرے گا اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا اور عنقریب اللہ شکر والوں کو صلہ دے گا۔

کس قدر سلیس وخوبصورت ترجمہ ہے، انداز بیان شگفتہ اور بامحاورہ، نیز شان رسالت کا بھرپور احترام، ساتھ ہی ساتھ نحوی اعتبار سے "سیجزی" کا معنی عنقریب صلہ دینے کا ہے، مولانا محمود الحسن اسے ہضم کر گئے۔

* * *

ترجمہ نگاری میں اس بات کا بھرپور لحاظ رکھنا چاہئے کہ قرآن کریم کے لفظ کو ایسا سہل و آسان لفظ میں تبدیل کردیں جو معنی کی صحیح عکاسی کر رہا ہو۔ اس سلسلہ میں "تجلی دیو بند ڈاک نمبر دسمبر ۷۲ء" کے حوالہ سے مولانا احمد رضا صاحب کا ایک ترجمہ سوال وجواب کی شکل میں ملاحظہ کیجئے۔

سوال: حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی سورہ فاتحہ کی ایک آیت کا ترجمہ یوں

کرتے ہیں کہ (ہم کو سیدھے راستہ پر چلا ان کا راستہ جن پر تو نے احسان کیا) اب میں کہنا چاہتا ہوں کہ انعمت علیھم کا ترجمہ یوں ہونا چاہئے کہ جن پر تو نے انعام عطا کیا ——
اگر احسان تسلیم کر لیا جائے تو ہمارے خیال سے معنی غلط ہو جائینگے کیوں کہ احسان تو خدا کا پوری کائنات پر ہے۔ جس میں انسانوں کی ہی دنیا میں بہت قومیں ہیں اس صورت میں اگر ہم خدا سے دعا مانگیں تو اسکا مطلب ہوگا کہ تمام قوموں کا راستہ مانگ رہے ہیں مثلاً ہندو، یہودی، عیسائی وغیرہم کا راستہ کیا کفار پر خدا کا احسان نہیں ہے کہ دنیا میں خدا کا دیا ہوا رزق کھاتے ہیں اور اسی کی بغاوت بھی کرتے ہیں مگر پھر بھی خدا کا احسان ہی کرنا ہے کہ ان کو اس روئے زمین پر قائم رکھا ہے یہ احسان ہی ہے اسلئے صحیح ترجمہ سے باخبر کریں۔

جواب: ہم نے آپ کے سوال کی عبارت کو بڑی حد تک درست کر دیا ہے ورنہ وہ لسانی اعتبار سے ایسی تھی جیسے کہ غیر اہل زبان کی تحریر۔

بحث اٹھانے سے پہلے آپ کوئی اردو لغت دیکھ لیتے تو بہتر ہوتا۔ مصباح اللغات آج کی معروف لغت ہے جو با آسانی دستیاب ہو جاتی ہے اس میں النعمة کے معنی احسان ہی کے لکھے ہیں۔ اور قاموس القرآن تو عین عربی لغات قرآنی پر مشتمل ہے اس میں دیکھئے آپ کو انعمت کے معنی یہ ملیں گے تو نے احسان کیا تو نے فضل کیا۔

جب صورت حال یہ ہے تو ہمیں یا آپ کو کسی ایسے مفسر پر اعتراض کا کیا حق رہ جاتا ہے جس نے نعمت کا ترجمہ "احسان" کر دیا ہو آپ "انعام" کا لفظ رکھ کر بحث کئے چلے جا رہے ہیں حالانکہ یہ تو عین وہی لفظ ہے جو قرآن نے استعمال کیا پھر اسے اردو ترجمہ کیسے کہیں گے۔

انعام و احسان اور فضل یہ سب الفاظ اردو میں مترادفات کی حیثیت سے بولے جاتے ہیں لہذا عام فہم مطلب پیش نظر رہنا چاہئے نہ کہ منطق و فلسفہ کے دقائق۔

اور منطقی اعتبار سے بھی آپ کے اعتراض میں جان نہیں ہے جس چیز کو آپ انعام کہہ رہے ہیں وہی عین احسان ہے۔ حضرت عیسیٰ و موسیٰ یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت و

رسالت کے جو مناصب اعلیٰ عطا کئے گئے وہ جہاں انعام ہیں وہیں احسان بھی ہیں۔ بلکہ انعام اردو بول چال میں جس مفہوم میں بولا جاتا ہے وہ یہاں صادق ہی نہیں آتا انعام ہم اس عطا کو کہتے ہیں جو کسی شخص کو اس کے کسی کارنامے یا خدمت کے صلہ مین پیش کی گئی ہو۔ نبوت کی یہ حیثیت نہیں جو بھی فرد نبی بنایا گیا وہ اپنے کسی کارنامے کے صلہ میں نہیں بنایا گیا لہذا اردو بول چال کے اعتبار سے یہ احسان ہے انعام نہیں۔

دراصل انعمت علیھم سے مراد خاص قسم کا فضل ہے اسی کو چاہے بغیر ترجمہ کئے انعام کہہ لیجئے یا ترجمہ کے طور پر احسان وفضل لکھ ڈالئے مفہوم ومراد میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

مولانا احمد رضا خانصاحب بے شک اس مکتب فکر کے شیخ ہیں جس سے آپ کو بعض معتقدات میں سخت اختلاف ہوگا لیکن اسکا یہ مطلب نہ ہونا چاہئے کہ ان کی سیدھی بات میں بھی ٹیڑھ نکالا جائے قرآن کے ترجمہ میں ہمیشہ یہ دیکھنا چاہئے کہ مترجم نے مفہوم قرآن کو بدلا تو نہیں الفاظ تو ہر مترجم اپنے الگ ہی لکھے گا اصل چیز ہے مفہوم ومصداق یہاں صاف ظاہر ہے کہ لفظ احسان نے مفہوم پر کوئی اثر نہیں ڈالا۔

انجہانی عامر عثمانی مدیر تجلی دیوبند کی یہ وضاحت اس حقیقت کی غمازی کر رہی ہے کہ مولانا احمد رضا قدس سرہ نے لفظ احسان سے ترجمہ کر کے ترجمہ نگاری کا حق بھی ادا کیا ہے اور قرآن پاک کے معنی ومفہوم پر کوئی اثر بھی نہیں پڑا ہے اسکے برخلاف مولٰنا تھانوی کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔

"بتلا دیجئے ہم کو راستہ سیدھا رستہ ان لوگوں کا جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے"۔

رستہ سیدھا بتلانا اور سیدھے راستے پر چلانے کا بنیادی فرق پر ہم پھر کسی موقع پر انشاء اللہ تعالیٰ اصولی گفتگو کر کریں گے ابھی صرف اتنی سی بات کہنی ہے کہ مولانا تھانوی نے انعمت فعل کا ترجمہ انعام سے کیا ترجمہ اس کا نام نہیں کہ فعل کو مصدر میں تبدیل کر دیا جائے۔

لفظ ''ائمہ'' امام کی جمع ہے اور دینی اعتبار سے امامت کا تصور بڑا خوبصورت ہے کیوں کہ اس میں خیر کا پہلو ہوتا ہے اور خیر ہی کے لحاظ سے امام کا معنی رہنما، رہبر، پیشوا اور مقتداء کہا جاتا ہے ـــــ اسی اعتبار سے قوم کا امام، مسجد کا امام، مذہب کا امام اور فلسفہ اور منطق کا امام بولا جاتا ہے۔

یہ لفظ قرآن حکیم میں متعدد جگہوں پر آیا ہے اور اپنے مقام ومحل کے لحاظ سے جداگانہ معنیٰ رکھتا ہے اور یہ معنوی اختلاف نسبت کے پیش نظر ہوتا ہے ـــــ

مصر کی زمین پر ظالم فرعون کی حکمرانی تھی اور بنی اسرائیل مظلوم کی حثیت سے جی رہے تھے۔ فرعون اس مظلوم طبقہ پر ظلم توڑھا رہا تھا مگر مشیت خداوندی کچھ اور ہی تھی۔ رب قدیر کیا چاہتا تھا اس تناظر میں اس آیت کریمہ کو ملاحظہ کیجئے ـــــ اور ''کنز الایمان'' کے حسن بیان کا بھی اندازہ لگائیے ـــــ

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً۔۔۔

(پارہ ۲۰، سورہ قصص، رکوع ۴)

''اور ہم چاہتے تھے ان کمزوروں پر احسان فرمائیں اور ان کو پیشوا بنائیں''۔

بامحاورہ ترجمہ، نفیس اردو اور کیسے آسان الفاظ استعمال کئے تھے ـــــ مقام ومحل کے اعتبار سے اور نسبت کے لحاظ سے یہاں پر ''پیشوا'' کا لفظ بہت ہی مناسب وموزوں ہے۔

اس آیت پاک کے تحت (مولانا) تھانوی کے ترجمہ پر ایک نگاہ ڈالتے چلیں۔

''(غرض فرعون تو اس خیال میں تھا) اور ہم کو یہ منظور تھا کہ جن لوگوں کا زور زمین (مصر) میں گھٹایا جا رہا تھا ہم ان پر (دنیوی ودینی) احسان کریں اور (وہ احسان یہ کہ) ان کو (دین میں) پیشوا بنادیں''۔

قوسین کی بھیڑ میں اصل ترجمہ کو ڈھونڈھنا مشکل، جب تک کہ ہم قوسین کی بھیڑ کو ختم نہ کردیں اصل ترجمہ دکھائی نہ دے گا ـــــ لیجئے اصل ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔

''اور ہم کو یہ منظور تھا کہ جن لوگوں کا زور زمین میں گھٹایا جا رہا تھا ہم ان پر احسان کریں اور ان کو پیشوا بنا دیں''۔

یہ منظور تھا ـــــ اور گھٹایا جا رہا تھا ـــــ یہ ترجمہ تو نہیں البتہ آیت کے پس منظر سے ابھر کر آنے والا ایک مفہوم ہے جسے الفاظ سے کوئی تعلق نہیں ـــــ کیونکہ یہاں پر ارادہ و استضعاف دو مصدر کے صیغے ہیں جن کے معنی چاہنا اور کمزور ہونا اسلئے یہ ترجمہ نہیں بلکہ ترجمانی کہہ لیجے۔ اگر عامر عثمانی زندہ ہوتا تو (مولانا) تھانوی کی حمایت میں کہتا۔ ''اصل چیز مفہوم و مصداق ہے'' ـــــ بہرحال اس موقع پر پیشوا کا لفظ تھانوی ترجمہ میں بھی درست ہے۔

کلمہ توحید کی صدا جس ماحول میں گونجی تھی وہ عرب کا کفری ماحول تھا جس پر کچھ قد آور اشخاص کی اجارہ داری تھی اور جن کے قبضہ تصرف میں ماحول کی جان تھی ان کے بغیر سارا ماحول بے دست و پا تھا۔

ابوجہل، ابولہب، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل اور ان جیسے لوگ اس گھنونے ماحول کے سردار تھے۔ قرآن کریم نے انہیں ''ائمہ کفر'' سے تعبیر فرمایا ـــــ لیجئے آیت پاک کے ترجمہ ''کنز الایمان'' کا حسن بیان اور برجستہ لفظ کا استعمال ملاحظہ کیجئے۔

فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ (پارہ ۱۰، سورہ توبہ، رکوع ۸)

''تو کفر کے سرغنوں سے لڑو''۔

ظاہر بات ہے کہ اس مقام پر ائمہ کی اضافت کفر کی طرف ہے اور کفر شر محض کا نام ہے، اس لئے اس کا ترجمہ نہ تو مقتداء ہی درست ہے نہ پیشوا ـــــ کیوں کہ مفسدوں، شر پسندوں اور چوروں کو پیشوا نہیں بولا جاتا ہے۔ البتہ ''سرغنہ'' ضرور کہا جاتا ہے، اور یہی ترجمہ امام احمد رضا قدس سرہ نے فرمایا ـــــ اس کے برعکس (مولانا) تھانوی لفظ کا صحیح انتخاب نہ کر سکے۔ ملاحظہ فرمائیے ان کا ترجمہ۔

''ان پیشوایان کفر سے (خوب) لڑو''۔

(مولانا) تھانوی کے ترجمہ میں عموماً یہ نقص نظر آتا ہے کہ قرآنی لفظ کچھ ہے اور ترجمہ کچھ اور، ترجمہ کرتے وقت ان کی حیثیت مترجم کی نہیں معلوم ہوتی ہے بلکہ مفسر کی، اس لئے بے وجہ وہ ترجمہ میں الفاظ کا اضافہ کر دیتے ہیں۔

چنانچہ اس آیت مبارکہ کے ترجمہ میں ''ان'' کا اضافہ کر دیا جبکہ اسکی ضرورت ہی نہ تھی اور قوسین کا ''خوب'' بھی ذہنی اپج ہے جس کو لفظ سے تعلق نہیں۔

* * *

بدع اور اس سے بدعت کا لفظ آیا جس کے معنی کسی نمونہ کے بغیر کسی شی کو وجود میں لانا۔ اس تناظر میں قرآن کریم کی اس آیت کو ملاحظہ کرتے ہوئے صاحب کنزالایمان کا شگفتہ ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔

بدیع السموات والارض۔ (پارہ ا، سورہ بقر)

''بے کسی نمونہ کے آسمان اور زمینوں کا بنانے والا''۔

آیت مبارکہ میں ''بدیع'' صفت خداوندی ہے اور یہ اسی ذات پاک کی شان عظیم ہے کہ بے کسی نمونہ کے آسمان وزمین جیسی محیرالعقول شی کی تخلیق فرمائی ــــــ فاضل بریلوی نے عام فہم سیدھے سادے اردو الفاظ میں آیت کا ترجمہ کیا۔

اس کے برخلاف (مولانا) تھانوی کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔

''وہ آسمانوں اور زمینوں کا موجد ہے''۔

افسوس ہے کہ (مولانا) تھانوی نے لفظ ''بدیع'' کی معنوی حیثیت کو یکسر نظر انداز کر دیا اگرچہ لفظ ''موجد'' کا اردو میں استعمال ہوتا ہے تاہم اس سے اس معنی کی عکاسی نہیں ہوتی ہے جس کے لئے ''بدیع'' کا لفظ قرآن میں آیا ہے اگر وہ اردو ہی میں ترجمہ کر دیتے تو یہ ترجمہ عام فہم ہو جاتا ہے۔

مزید برآں (مولانا) تھانوی کے ترجمہ میں نحوی اعتبار سے بھی بڑا نقص ہے آیت

پاک میں ترکیب اضافی ہے اور محض ترکیب اضافی سے جملہ نہیں بنتا ہے مگر (مولانا) تھانوی نے جملہ کا ترجمہ کیا ہے جو غلط ہے اس لحاظ سے ان کی علمی حیثیت جو ان کے عقیدت مندوں میں ہے مجروح ہو جاتی ہے۔

***

استہزا کا لفظ جابجا قرآن میں آیا ہے جس کے معنی مضحکہ اڑانا، تمسخر کرنا اور ٹھیٹ لفظ میں ٹھٹھا کرنے کے آتے ہیں۔ یہ لفظ رب قدیر کی جانب بھی منسوب ہے اور کفار و مشرکین کی طرف بھی مضحکہ، تمسخر اور ٹھٹھا مخول جیسے الفاظ شان الٰہی کے لائق نہیں اسلئے ان الفاظ سے ترجمہ کرنا سخت بے ادبی ہے۔ چنانچہ اس آیت کا ترجمہ کنزالایمان کی روشنی میں ملاحظہ کیجئے۔

الله یستهزی بهم۔ (پارہ ۱، سورہ بقر)

''اللہ ان سے استہزا فرماتا ہے'' (جیسا کہ اسکی شان کے لائق ہے)

اس ترجمہ میں یہ نہ خیال کیا جائے کہ امام احمد رضا قدس سرہ نے لفظ ''استہزا'' کا ترجمہ نہیں کیا جبکہ دیوبندی تراجم میں اسکا ترجمہ ہنسی، ٹھٹھا، مخول سے کیا گیا ہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ انسان تو ہنسی اڑا سکتا ہے۔ ٹھٹھا مخول بھی کر سکتا ہے اور انسان کی اس کیفیت کا علم و ادراک ہو سکتا ہے۔

مگر ذات خداوندی ایسی نہیں کہ وہاں مضحکہ و تمسخر جیسے الفاظ کا گزر ہو اسکی شان اقدس اس طرح کے گھٹیا الفاظ کی نسبت سے بہت بلند ہے ــــــ یہی ایک دشواری تھی جو فاضل بریلوی نے استہزاء کے ترجمہ سے احتراز فرمایا اور لفظ کو بدلنے کی جسارت نہ فرمائی اور اس احتیاط کے ساتھ کہ قوسین میں فرمایا (جیسا اسکی شان کے لائق ہے)

اس مقام پر (مولانا) تھانوی نے بھی استہزا کا ترجمہ نہ کیا اور لفظ کو جیوں کا تیوں رکھ دیا ترجمہ سے گریز شعوری ہے یا بلاشعوری یہ وہی جانیں ــــــ ان کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

''اللہ ہی استہزا کر رہے ہیں ان کے ساتھ''۔

اس ترجمہ پر کوئی تبصرہ کئے بغیر ہم اس آیت کو پیش کرنا چاہتے ہیں جو اس آیت مبارکہ سے جڑی ہوئی ہے۔یعنی وہ لوگ جو دوغلی سیاست رکھتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے وفاداروں سے ملتے تو ایمان کا اقرار کرتے اور جب کفر ونفاق کے سرغنوں میں پہنوچتے تو کہتے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

انما نحن مستھزون۔(پارہ ا،سورہ بقر)

''ہم تو صرف استہزا کرتے ہیں''۔

یہ (مولانا) تھانوی کا ترجمہ ہے، خدا جانے کیوں اس لفظ کے ترجمہ سے گریز کیا حالانکہ یہاں استہزا کی نسبت اہل کفر ونفاق کی جانب ہے انھوں نے تو بڑی بے باکی سے اہل ایمان کا مضحکہ اڑایا ہوگا، تمسخر، ٹھٹھا مخول اور آوازے کسے ہونگے۔ ہر طرح سے بیچارے مسلمانوں کی دل آزاری کی ہوگی پھر کیوں ترجمہ سے احتیاط برتی گئی ــــــ؟

یا تو ترجمہ نگاری کی ان میں صلاحیت ہی نہیں تھی ــــــ یا پھر شان خداوندی کی طرح ان منافقین کے تمسخر کے بھونڈے انداز کو بھی سمجھ لیا۔

جہاں ترجمہ کرنا ایمان کے لئے خطرہ ثابت ہوسکتا ہے صاحب کنزالایمان نے وہاں لفظ میں تبدیلی نہ کی ترجمہ نہ کیا اور جہاں گنجائش تھی کہ متبادل لفظ سے مفہوم کی عکاسی ہو سکتی ہے ضرور ترجمہ کیا اور معنویت کو اجاگر کیا ہے۔یہی لفظ استہزا جب باری تعالیٰ کی طرف منسوب ہوا اسکا ترجمہ نہ کیا گیا البتہ جب بندوں کی طرف اسکی نسبت ہوئی تو یہ ترجمہ فرمایا۔

''ہم تو یوں ہی ہنسی کرتے ہیں'' ــــــ ترجمہ کر کے ترجمہ نگاری کا حق ادا کیا۔

ایسا بھی سوچا نہیں جا سکتا ہے کہ (مولانا) تھانوی نے اس لفظ کے ترجمہ سے اتفاقاً گریز کیا بلکہ دوسرے مقام پر بھی انھوں نے یہ طریقہ تحریر برقرار رکھا۔

چنانچہ ذیل کی آیت ملاحظہ کیجئے جس میں لفظ استہزاء فعل مجہول کے ذریعہ رسولوں

کی طرف منسوب ہے۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ۔۔۔ (پارہ ۱۷، سورہ الانبیاء، رکوع ۳)

''اور ضرور اے محبوب تم سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی ٹھٹھا کیا گیا''۔

انداز بیان کس قدر پیارا اور دلکش ہے اور محبوب کی تسلی بھی ہے کہ رسولوں کے ساتھ ٹھٹھا کرنا کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ تم سے پہلے بھی مرسلان عظام کے ساتھ ناسمجھ لوگوں نے یہی ناروا سلوک کیا۔ اس آیت مبارکہ کا تھانوی ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔

○ ''اور واقعی آپ سے پہلے جو پیغمبر ہوئے ہیں ان کے ساتھ بھی استہزاء کیا گیا''۔

خداوند قدوس کا اپنے پیارے رسول کو ''آپ'' سے خطاب کرنا۔ شان الٰہی کے لائق نہیں۔

○ آیت مبارکہ کے ترجمہ کو بے وجہ دو حصوں میں تقسیم کر دیا جبکہ آیت پاک مکمل ایک جملہ ہے یہ ان کے بیان پر عدم قدرت کی دلیل ہے۔

دراصل وہ فعل باری اور افعال عباد میں فرق پیدا نہ کر سکے استہزاء کی نسبت جہاں باری تعالیٰ کی جانب ہے وہاں استہزاء کی کیفیت فہم وادراک میں آتی ہے لہذا اسکا ترجمہ تمسخرو تضحیک، ٹھٹھا ومخول سے کرنا بالکل درست ہے پھر بھی (مولانا) تھانوی نے ترجمہ سے گریز کیا۔

رسولان عظام جب کائنات میں مبعوث ہوئے تو خدا کی تائید ونصرت بھی ان ک ساتھ رہی رسولوں نے تبلیغ دین فرمائی توحید ورسالت کی تعلیم دی، جنت کی بشارت دی اور دوزخ سے ڈرایا مگر سنگ دل قوموں پر اللہ کے ان مقرب بندوں کی باتوں کا کچھ اثر نہ ہوا اور انکی سرکشی بڑھتی رہی عذاب الٰہی کے وعدے بظاہر پورے ہوتے نظر نہ آرہے تھے یعنی ظاہری اسباب میں انہیں عذاب الٰہی آنے کی امید نہ رہی۔ ایسے عالم میں اللہ کی مدد آپہنچی ہے۔

اس تناظر میں یہ آیت پاک اور کنزالایمان کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔

حَتّٰۤی اِذَا اسۡتَیۡـَٔسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوۡۤا اَنَّہُمۡ قَدۡ کُذِبُوۡا جَآءَہُمۡ نَصۡرُنَا ۙ

(پارہ ۱۳، سورہ یوسف، رکوع ۶)

''یہاں تک جب رسولوں کو ظاہری اسباب کی امید نہ رہی اور لوگ سمجھے کہ رسولوں نے ان سے غلط کہا تھا اس وقت ہماری مدد آئی''۔

○ قرآنی الفاظ کا تقاضہ تو یہ تھا کہ رسولان کرام مایوس ہو گئے مگر چوں کی انہیں کمال یقین ہوتا ہے اس لئے وہ یاسیت کے شکار نہیں البتہ ظاہری اسباب کی امید منقطع ہو سکتی ہے اس لئے فاضل بریلوی نے ترجمہ کا یہ ادب واحترام سے لبریز انداز اختیار فرمایا۔ علم نحو کے اعتبار سے اگر آیت مبارک پر غور کیا جائے تو تفسیر کی روشنی میں اس سے دو مفہوم ابھر کر سامنے آتے ہیں۔

① ظن کی نسبت رسولوں کی طرف ہے یعنی انہوں نے یہ گمان کیا اس صورت میں آگے آنے والا فعل جمع مصدر تکذیب کا ہوگا اور اسکی نسبت بھی رسولوں کی جانب ہوگی۔ اور معنی یہ ہوگا کہ نصرت الٰہی کی تاخیر سے رسولوں کو یہ یقین ہو گیا کہ اب قوم ان کی تکذیب کرے گی جیسا کہ تفسیر صاوی میں ہے۔

''والمعنی ایقن الرسول بالوحی من الله بان قومهم یکذبوهم تکذیبا''۔ الخ (تفسیر صاوی، جلد ۲، صفحہ ۲۴۴)

② ظن کی نسبت قوم کی طرف ہے اور آگے آنے والا فعل جمع مصدر کذب سے ہے جس کے فاعل رسولان عظام ہیں۔

اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ لوگ سمجھے کہ نصرت الٰہی کے بارے میں رسولان عظام نے غلط کہا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔ جیسا کہ تفسیر جلالین میں ہے۔

''ای ظن الامم ان الرسول اخلفو اما وعد وابه من النصر''۔۔۔

(تفسیر جلالین، صفحہ ۱۹۹)

اور امام احمد رضا نے آیت مقدسہ کا یہی ترجمہ کیا ہے۔

اس آیت کے ترجمہ میں (مولانا) تھانوی کی آشفتہ بیانی دیکھئے۔

"یہاں تک کہ جب پیغمبر (اس بات سے) مایوس ہو گئے اور ان پیغمبروں کو گمان غالب ہو گیا کہ ہمارے فہم نے غلطی کی ان کی ہماری مدد پہونچی"۔

○ قوسین میں (اس بات سے) وہ بات تشنہ ہے جبکہ اس قوسین کے بغیر بھی ترجمہ میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا۔

لفظ پیغمبر کا اطلاق نبی اور رسول دونوں پر ہوتا ہے، بہتر تو یہ ہوتا کہ رسول ہی ترجمہ کرتے تا کہ مخصوص معنویت قائم رہتی۔ پھر ایک جگہ "پیغمبر" معنوی جمع اور دوسری جگہ "ان پیغمبروں" لفظی جمع کے ساتھ ترجمہ نگار کا عجیب ذوق ہے۔

○ پیغمبر مایوس ہو گئے یہ آداب پیغمبری نہیں۔

"ان پیغمبروں" کی جگہ اگر "انہیں" لکھ دیتے تو عبارت مختصر ہو جاتی اور معنوی حسن بھی برقرار رہ جاتا۔

○ آیت پاک میں جملہ افعال غائب کے ہیں مگر "ہمارے فہم نے غلطی کی" یہ مولانا تھانوی کو کیا ہو گیا کہ اچانک غائب سے متکلم کی طرف دوڑ لگائی ——؟ یہ انکا خود ساختہ ترجمہ ہے جس کا صریح الفاظ سے کوئی مناسبت نہیں۔ شاید کوئی شخص یہ خیال کرے کہ انہوں نے دامن رسالت کو غبار کذب سے بچانے کی کوشش کی ہے اس لئے لفظ کذب کی غلطی سے تعبیر کی۔۔۔ مگر یہ بنیاد بھی درست نہیں اگر ان کے پاس ایمان بھرا دل اور عقیدت سے لبریز قلم ہوتا تو حضرت یوسف علیہ السلام پر ترجمہ کرنے میں کذب کی نسبت نہ کرتے چنانچہ سورہ یوسف کی اس آیت میں پہلے کنز الایمان کا انداز بیان ملاحظہ کیجئے۔

اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝

(پارہ ۱۲، سورہ یوسف، رکوع ۱۳)

''اگران کا کرتا آگے سے چرا ہے تو عورت سچی اور انہوں نے غلط کہا''۔

دراصل یہاں پر ''قد'' کا لفظ آیا اور ''صراح'' میں اسکا معنی ''دراز شگافتن'' لکھا ہے جس کا مطلب لمبائی میں کسی چیز کا چاک ہونا، اردو زبان میں اسے چرنے سے تعبیر کرتے ہیں جیسے لکڑی وغیرہ کا چرنا اور پھٹنے کیلئے خرق کا لفظ آتا ہے۔

○ امام احمد رضا اس کا ترجمہ چرنا لکھا اور ساتھ ہی ساتھ ترجمہ میں یہ احتیاط برتی کہ نبی جھوٹا نہیں لکھا بلکہ غلطی سے تعبیر فرمائی۔

اب (مولانا) تھانوی کا بے باکانہ ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔

''اگران کا کرتا آگے سے پھٹا ہے تو عورت سچی ہے اور یہ جھوٹے''۔

○ لفظ قد کا صحیح ترجمہ ارباب ادب کے انداز میں نہ کر سکے اور نبی کو بھی جھوٹا لکھ گئے۔ (العیاذ باللہ)

یہ تو ایک کذب کی بات تھی جس میں آداب رسالت کا لحاظ رکھا ہی نہیں مولانا تھانوی کے توسن قلم نے تو زنا جیسی قبیح چیز کی نبی کی طرف نسبت کر ڈالی اور اسے نبی کا ارادہ بتایا۔ ہفتم خانہ میں حضرت زلیخا بن سنور کی بیٹھی ہیں اور حضرت یوسف علیہ السلام بھی موجود ہیں حضرت زلیخا دعوت حسن دے رہی ہیں اور فعل قبیح کیلئے آپ کو آمادہ کر رہی ہیں اس تناظر میں آیت پاک ملاحظہ کرتے ہوئے کنزالایمان کے حسن ادب اور حسن بیان کو ملاحظہ کیجئے۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۚ (پارہ ۱۲، سورہ یوسف)

''اور بیشک عورت نے اسکا ارادہ کیا اور وہ بھی عورت کا ارادہ کرتا اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا''۔

صاحب صراح نے لفظ ''ھم'' کے اور دوسرے معنوں کے ساتھ ایک معنی ''قصد'' بھی لکھا ہے۔ اور مثال میں یہی آیت پیش کی ہے۔

امام احمد رضا نے اسکی روشنی میں جملہ کا ترجمہ ایسے الفاظ سے کیا جو اس مفہوم و

ماحول کی صحیح عکاسی کرتے ہیں اور آپ نے حرف شرط کو ماقبل سے اس طرح مربوط کردیا کہ معنوی حسن بھی قائم رہا اور عصمت انبیاء پر بھی کوئی حرف نہ آیا۔

اس تناظر میں تھانوی ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔

''اور اس عورت کے دل میں تو ان کا خیال جم ہی رہا تھا اور ان کو بھی اس عورت کا کچھ کچھ خیال ہو چلا تھا اگر اپنے رب کی دلیل کو انہوں نے نہ دیکھا ہوتا''۔

○ (مولانا) تھانوی ''لقد'' کا ترجمہ پی گئے۔

○ ''ھمت'' جو فعل مؤنث ہے جس کا فاعل عورت ہے فاعلیت کی حیثیت سے اسکا ترجمہ نہ کرسکے۔

○ صراح کی تشریح کے مطابق ''دل، خیال اور جم رہا تھا'' یہ ایسے الفاظ ہیں جو قرآنی لفظ کی قطعاً عکاسی نہیں کرتے اس لئے اسے صحیح ترجمہ نہیں کہا جاسکتا آیت سے ابھرنے والے مفہوم کی ترجمانی کہنا مناسب ہوگا ترجمہ کا نام دینا غلط ہوگا۔

○ عورت اس فعل قبیح پر مکمل آمادہ تھی اور اس نازیبا خیال میں حضرت یوسف کو بھی شامل کردینا، چاہے وہ کچھ ہی سہی ایک نبی کی پاک دامنی کا داغدار کرنیکی نازیبا حرکت ہے۔

○ علم کلام کی روشنی میں انبیاء معصوم ہوتے ہیں لہذا قلوب انبیاء میں زناکاری جیسی قباحت کا خیال تو کجا اسکے خطرات بھی نہیں گذرتے ـــــ مگر (مولانا) تھانوی نے غلط ترجمہ کرکے نبی کے تقدس کو داغ دار کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔

قرآن عظیم فصاحت و بلاغت کا ایسا حسین و لطیف مرقع ہے جس کے آگے عرب کے زبان دان، ادیب، انشاء پرداز اور فصیح و بلیغ ایسے عاجز ہوئے کہ گویا ان کے منہ میں زبان نہیں ـــــ چاہے لفظ فصیح ہو کہ کلام بلیغ۔

سب علم معانی و بیان ہی سے متعلق ہے، قرآن کریم کی وسعت معانی و بیان کا تو یہ عالم ہے کہ ارباب ادب نے قرآنی الفاظ سے الفاظ و معانی، بیان و حسن بیان کا معیار قائم

کیا اور اصول متعین کئے ــــــ چنانچہ فن معانی و بیان سے ایجاز و اطناب بھی ہے جو تحسین کلام کے لئے آتا ہے۔

''فالایجاز اداء المقصود باقل من عبارة المتعارف''۔ (مختصر، صفحہ ۲۷۸)

''عبارت متعارف سے کم الفاظ میں مقصود کو ادا کر دینا ایجاز کہلاتا ہے''۔

ایجاز کی تعریف کے بعد آیت ذیل کو ملاحظہ کیجئے آیت کا پس منظر میں حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کا وہ مقدس تاریخی سفر ہے جس میں حضرت خضر نے ایک بے گناہ بچہ کو قتل کر دیا تھا۔ کشتی میں سوراخ کر دیا اور ایک ٹیڑھی دیوار درست فرمادی تھی یہ ساری چیزیں بظاہر خلاف عقل تھیں اسلئے حضرت موسیٰ نے ان پر اعتراض کیا تھا ــــــ جب دونوں جدا ہوئے تو حضرت خضر نے وہ اسرار ظاہر فرمادیئے جو حضرت موسیٰ کی نگاہوں سے مخفی تھے کشتی میں سوراخ کر دینے کی جو وجہ حضرت خضر نے بتائی وہ آیت مقدسہ میں موجود ہے۔

وَكَانَ وَرَآءَهُم مَّلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ﴿٧٩﴾ (پارہ ۱۶، سورہ الکھف)

''اور ان کے پیچھے ایک بادشاہ تھا کہ ہر ثابت کشتی چھین لیتا''۔

امام احمد رضا کا علم معانی و بیان کی روشنی میں یہ بامحاورہ ترجمہ ہے ــــــ صاحب مختصر المعانی نے ایجاز کے سلسلے میں کہا ہے کہ کبھی وہ حذف صفت سے حاصل ہوتا ہے اور مثال میں یہ آیت پیش کی ہے جیسا کہ صاحب مختصر کا بیان ہے۔

''او صفة نحو و كان وراء هم ملک یاخذ کل سفینة غصبا ای کل سفینة صحیحة او نحو ها کسلیمه او غیر معیبة بدلیل ما قبله هو قوله فاردت ان اعیبها لدلالته علی ان الملک کا ن لا یا خذ المعیبة''۔

(مختصر المعانی، صفحہ ۲۸۶)

اس آیت میں چونکہ ''ایجاز'' ہے لہذا سفینہ سے قبل حذف صفت ہے کیونکہ حضرت خضر کا یہ فرمانا کہ میں نے چاہا کہ کشتی عیب دار کر دوں کہ بادشاہ عیب دار کشتی غصب

نہ کر سکے ـــــــ امام احمد رضا کے ذہن میں علم معانی کا یہ نکتہ موجود تھا اس لئے آپ نے "ہر ثابت کشتی" ترجمہ کیا۔

(مولانا) تھانوی کے توسن قلم نے اور ترجموں میں جس طرح ٹھوکر کھائی ہے اس آیت کے ترجمہ میں وہی چیز موجود ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔

"اور ان لوگوں سے آگے کی طرف ایک بادشاہ تھا جو ہر کشتی کو زبردستی پکڑ رہا تھا"۔

○ وراء ھم ۔لفظ وراء ضمیر کی طرف مضاف ہے اس لئے ضمیر کا ترجمہ ضمیر ہی سے کرتے تو غیر ضروری الفاظ سے بچ جاتے جیسا کہ صاحب کنزالایمان نے ترجمہ کیا ہے۔

○ وراء المدرسة وراء الجدار مدرسہ کے پیچھے، دیوار کے پیچھے ترجمہ کیا جاتا ہے مگر "آگے کی طرف" ترجمہ کرنے کا کیا محل و قرینہ ہے ـــــــ "پیچھے" کا لفظ مکان کے لحاظ سے بھی بولا جاتا ہے جیسے گھر کے پیچھے اور معنوی اعتبار سے بھی بولا جاتا ہے جیسے امریکہ، اسرائیل کے پیچھے ہے یہاں پر عقب مکانی مراد نہیں۔

○ ہر کشتی نہیں بلکہ ہر سالم و ثابت کشتی کے ساتھ غصب کا معاملہ تھا اس موقع پر (مولانا) تھانوی علم معانی کے اس نکتہ کو فراموش کر گئے جو "ایجاز" سے متعلق تھا۔

زبردستی پکڑنے کی بات نہیں چھین لینے کی بات تھی ـــــــ پھر زبردستی پکڑنے میں بطور غصب چھین لینے کا تصور نہیں ہوتا (مولانا) تھانوی نے زبردستی پکڑنے اور زبردستی چھین لینے کے جوہری فرق کو محسوس نہیں کیا۔

* ✿ *

لفظ "میقات" کے سلسلہ میں اس آیت کو ملاحظہ کیجئے جسکا پس منظر یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم بنی اسرائیل سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ جب اللہ عزوجل ان کے خونخوار دشمن فرعون کو ہلاک فرمادے گا تو وہ ایک آسمانی صحیفہ لائیں گے جس میں مذہبی دستور و قانون کا بیان ہوگا ـــــــ جب خدائے جبار و قہار نے فرعون کو دریائے نیل میں غرق

فرمادیا تو حضرت کلیم اللہ نے اپنے رب سے نزول کتاب کا سوال کیا تو رب قدیر کا حکم ہوا کہ وہ تیس روزے رکھیں۔ آپ نے ماہ ذی قعدہ روزے میں گزارا لیکن دہان مبارک کا مزہ بدل جانے کی وجہ سے آپ نے مسواک کرلی۔ خدا کو یہ منظور نہ تھا، کیونکہ روزہ دار کی بوئے دہن اسے پسند ہے اس لئے دس روزے کا حکم ہوا اور یہ ذی الحجہ کے دس دن تھے۔

آیت کریمہ ملاحظہ کیجئے اور صاحب کنزالایمان کا انداز حقیقت پسندانہ دیکھئے۔

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ۔۔۔۔۔۔۔ (پارہ ۹، سورہ اعراف، رکوع ۷)

"اور ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا وعدہ فرمایا اور ان میں دس بڑھا کر پوری کیں تو اس کے رب کا وعدہ پورے چالیس رات کا ہوا۔۔۔۔۔"

○ "فرمانا" شان الٰہی کا تقاضا۔ مصدر اتمام کے صیغہ کا صحیح ترجمہ اور "میقات" یہاں پر وعدہ مراد ہے۔ اگر چہ یہ لفظ "وقت" سے ماخوذ ہے ـــــــ مصباح اللغات میں اس کا ترجمہ ہے "وعدہ جس کے لئے وقت مقرر کیا گیا ہو" اس لحاظ سے کنزالایمان کا ترجمہ معنی و بیان کا ایک صحیفہ ہے۔

ذرا (مولانا) تھانوی کے ترجمہ کو بھی ایک نظر دیکھتے چلیں۔

"اور ہم نے موسیٰ سے تیس شب کا وعدہ کیا اور دس شب کو ان (تیس شب) کا تتمہ بنایا سو ان کے پروردگار کا وقت پورے چالیس شب کا ہو گیا"۔

○ "تیس شب" کی بجائے "تیس رات" ترجمہ کرتے تو ترجمہ سلیس بھی ہو جاتا اور ذوق لطیف پر گراں بھی نہ گزرتا اور تنافر حروف کا عیب الگ۔

○ اتمام کا معنی پورا کرنا تتمہ بنانا نہیں۔ نیز وہ ایک نظر "کتب لغت" پر بھی ڈال لیتے تو میقات کا ترجمہ وعدہ ضرور کرتے۔

اسی میقات کی جمع مواقیت پر ایک اور آیت ملاحظہ کیجئے۔ مگر اس سے قبل آیت کا

پس منظر سامنے رکھئے۔ آج آسمانی حالات، شمس وقمر کی رفتار ومنزل اور سیاروں کے طلوع و غروب سے متعلق نہ جانے کیا کیا معلومات فراہم کی جا رہی ہیں ــــــ مگر عہد ماضی میں نہ اس قسم کا علم تھا نہ ذریعہ ابلاغ۔ اس لئے انسان اجرام فلکی کو حیرت واستعجاب سے دیکھتے تھے۔ ــــــ پہلی رات کا چاند اتنا باریک ونازک کیوں ہوتا ہے پھر دھیرے دھیرے نور کی کیفیت بڑھتی ہے اور بڑھتے بڑھتے چاند روشنی کا ایک مکمل دائرہ بن جاتا ہے، پھر آہستہ آہستہ اسکی روشنی گھٹتی نظر آتی ہے اور پھر وہی شکل نظر آتی ہے۔ جیسے پہلی رات کا چاند۔

چنانچہ آغاز اسلام میں بھی عرب کے سامنے یہ مسئلہ درپیش تھا تو انہوں نے حکیم کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ چاند گھٹتا بڑھتا ہے سورج کی طرح اس کی یکساں حالت نہیں رہتی ہے ــــــ چاند کی شکل کا یہ اختلاف چونکہ سیاروں کی حرکت سے متعلق تھا اور اسے سمجھنا علم ہیت پر موقوف تھا اس لئے قرآن حکیم نے اختلاف کی اصل وجہ نہ بیان کر کے اختلاف سے پیدا ہونے والے اثرات اور انسانی مفادات کو بیان کیا قرآن فرماتا ہے۔

یسئلونک عن الاھلة قل ھی مواقیت للناس والحج۔

(پارہ۲، سورہ بقرہ)

"تم سے نئے چاند کو پوچھتے ہیں تم فرما دو وہ وقت کی علامتیں ہیں لوگوں اور حج کیلئے۔"

آیت مبارک میں لفظ "اھلہ" وارد ہوا جو ہلال کی جمع ہے جس کے معنی چاند۔ اردو میں چاند کا لفظ استعمال ہوتا ہے جبکہ عربی میں ہلال، قمر، بدر کے الفاظ بھی موجود ہیں۔ جس کا ترجمہ عموماً چاند ــــــ اور بدر میں چودھویں کا چاند بولا جاتا ہے ــــــ آیت پاک سے یہ اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں کہ عرب نے قمر و بدر کے بارے میں نہیں بلکہ ہلال سے متعلق ان کا سوال تھا یعنی پہلی رات کا چاند یا نیا چاند۔

○ اردو ادب میں خطاب کیلئے مختلف الفاظ ہیں حضور، حضرت، جناب، آپ، تم اور تو۔

آیت میں شان الٰہی کے پیش نظر ''تم'' اور امت کا لحاظ کرتے ہوئے ''فرمادو''

کنزالایمان کا ایک جچا تلا خوبصورت انداز ہے۔

○ چاند کی جمع اردو میں مستعمل نہیں اس لئے کسی صفت کے ذریعہ واحد و جمع کی تعبیر کی جاتی ہے۔ جیسے نیا چاند اور نئے چاند، امام احمد رضا نے ترجمہ میں یہی انداز اختیار فرمایا۔

○ ''تم سے نئے چاند کو پوچھتے ہیں۔'' اس جملہ میں اسقدر سلاست وروانی اور موزونیت ہے کہ علم عروض کی کسی بحر پر اسے تول سکتے ہیں۔

''چاند کو پوچھتے ہیں'' یعنی چاند کے بارے میں پوچھتے ہیں ——— سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ آخر کونسا انداز ہے عرض کروں گا غالب نے بھی ایک شعر میں یہی انداز اختیار کیا ہے گویا کہ یہ ''اردوئے معلّٰی'' ہے چنانچہ غالب کہتا ہے۔

غنچہء ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں

بوسے کو پوچھتا ہوں میں مجھکو زرا بتا کہ یوں

اور جگر مراد آبادی کا بھی ایک شعر ملاحظہ ہو۔

جان کر منجملہء خاصان میخانہ مجھے

مدتوں رویا کرینگے جام و پیانہ مجھے

مواقیت، لفظ میقات کی جمع ہے جو علم صرف کے اعتبار سے اسم آلہ ہے مگر یہاں پر یہ معنی مراد نہیں بلکہ اس کے معنی علامت کے ہیں جیسا کہ مدارک التنزیل میں ہے۔

''ای معالم یوقت بھا الناس مزارعھم ومتا جر ھم ومحال دیونھم وصومھم وفطر ھم وعدۃ نساء ھم وایام حیض ومدۃ حملھن وغیر ذالک ومعالم الحج یعرف بھا وقتہ''۔

''ایسی علامتیں جن سے لوگ اپنی زراعت، تجارت، دیون، روزہ، افطار، عورتوں کی عدت، ایام حیض اور عورتوں کی مدت حمل کا تعین کرتے ہیں اور حج کی علامت جن کے

ذریعے حج کا وقت شناخت میں آتا ہے"۔(مدارک التنزیل، الجزالاول، صفحہ ۹۷)

اور علامہ تفتازانی کی توضیح "مختصر المعانی" میں اس طرح ہے۔

"ان الاھلة بحسب ذالک الاختلاف معالم یوقت بھا الناس امورھم من المزارع"۔

"نئے چاند اس اختلاف کے اعتبار سے علامتیں ہیں جن سے لوگ امور زراعت کی تعین کرتے ہیں"۔ (مختصر المعانی، صفحہ ۱۲۷)

○ اس لحاظ سے فاضل بریلوی کا ترجمہ اپنی مثال آپ ہے۔ الفاظ مختصر، شگفتہ اور برجستہ ــــــ نیز ترجمہ، تفسیر واہل معانی کی توضیح کے مطابق ہے۔

اس آیت سے متعلق (مولانا) تھانوی کے خانہ ساز ترجمہ پر بھی ایک طائرانہ نگاہ ڈالتے چلیں۔

"آپ سے چاندوں کی حالت کی تحقیقات کرتے ہیں آپ فرمادیجئے کہ وہ چاند آلہء شناختن اوقات ہیں لوگوں کے لئے اور حج کے لئے"۔

○ "اھلة" ہلال کی جمع ضرور ہے مگر "چاندوں" اسکا ترجمہ کرنا (مولانا) تھانوی کے ذوق کی بات ہے انہوں نے لغات پر نگاہ مرکوز رکھی مگر اردو ادب کے تقاضے کو بھول گئے۔

○ مواقیت، میقات کی جمع ہے یہ لفظ اگر صرفی سے اسم آلہ ہے مگر چاند مکیل وموزون کی طرح نہیں جس سے وقت ناپا جائے۔ دراصل موصوف علم صرف کی بھول بھلیوں میں گم ہو گئے اس لئے تفسیر ومعانی کی تشریح پر انکی نظر نہ گئی۔

* * *

آغاز اسلام میں شراب پینے اور جوا کھیلنے کا عام رواج تھا کیوں کہ اب تک اس سے متعلق کوئی شرعی حکم نہ تھا عرب اپنے پرانے دستور کے مطابق اپنی آتش طبع کو شراب سے بجھاتے اور جوا کے ذریعہ بآسانی مال وزر حاصل ہو جاتا ــــــ چنانچہ حضرت عمر، معاذ بن جبل

اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور حالات بیان کئے کہ شراب اور جوا نے عقل و مال دونوں کو تباہ کر دیا ہے اس بارے میں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کیا فرماتے ہیں ——— ؟

اس پر یہ آیت پاک نازل ہوئی۔

یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر ومنافع للناس ٥

(پارہ۲، سورہ بقرہ)

''تم سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں تم فرماؤ ان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ دنیوی نفع بھی''

اہل لغت لفظ ''میسر'' پر گفتگو کرتے ہیں۔

''اشتقاقہ من لفظ الیسر لانہ اخذ مال الرجل بیسر وسھولۃ بلا کد وتعب''۔

''میسر کا لفظ یسر سے مشتق ہے کیوں کہ اس میں مشقت و پریشانی کے بغیر سہولت و آسانی سے آدمی کا مال حاصل ہوتا ہے''۔

اس کے معنی میں لفظ قمار بھی آتا ہے چنانچہ ''ردالمحتار'' میں اسکی توضیح ہے۔

''القمار من القمر الذی یزید وینقض وسمی القمار قمار الان کل واحد من المقامرین فمن یجوزان یذھب مالہ الی صاحبہ ویجوز ان یستفید مال صاحبہ''۔

''قمار اس لفظ قمر سے بنا ہے جو بڑھتا گھٹتا ہے قمار کو اس لئے قمار کہا جاتا ہے کہ جواریوں میں سے ہر شخص کا مال اپنے مقابل کو مل جانے یا اپنے مقابل کے مال سے مستفید ہونے کا امکان لگا رہتا ہے''۔ (ردالمختار، جلد۹، صفحہ۴۹۲)

○ فاضل بریلوی نے شان نزول کا بھرپور لحاظ رکھا کہ صحابہء کرام اس کا حکم پوچھنے آئے تھے۔

""میسر'' کا ترجمہ ''جوا'' ہی کیا ہے کہ یہ عام فہم اور سادہ لفظ ہے۔

''ان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ دنیوی نفع بھی''۔۔۔۔۔ شراب میں وقتی سرور اور جوا میں محنت کے بغیر حصول زر کا امکان۔۔۔۔۔ گناہ، امر آخرت ہے اور نفع، دنیوی فائدہ۔۔۔۔ بڑا گناہ کا ہونا جو امر آخری ہے اس چیز کا متقاضی ہے دنیوی نفع تھوڑا ہو۔ اس لحاظ سے نفع کی نوعیت واضح ہوگئی کہ وہ قلیل ہے اور گناہ کبیرہ۔۔۔۔۔ اس سارے محاسن پر مشتمل کنزالایمان کا ترجمہ ہے۔

اس آیت سے متعلق (مولانا) تھانوی کے ترجمہ کو بھی دیکھ لیا جائے۔

''لوگ آپ سے شراب اور قمار کی نسبت دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں ہیں اور لوگوں کا فائدے بھی''۔

- ایک لفظ عربی ''میسر'' کا ترجمہ اس کے مترادف عربی لفظ ''قمار'' سے کیا جبکہ اس سے زیادہ سادہ، عام فہم استعمال میں آنے والا اردو لفظ ''جوا'' تھا (مولانا) تھانوی نے عربی کا حق تو ادا کیا مگر اردو سے چشم پوشی اختیار کی۔
- شراب اور جوا کا حکم معلوم کرنا اور بات ہے نسبت دریافت کرنا اور چیز۔۔۔۔۔ اس سے مفہوم پوری طرح واضح نہیں ہوتا۔
- قرآن نے جواب دیا کہ ان میں بڑا گناہ ہے، گناہ کی بڑی بڑی باتیں۔۔۔۔۔ نہ جانے (مولانا) تھانوی نے کن الفاظ کا یہ ترجمہ کیا ہے۔۔۔۔۔ دراصل وہ ترجمہ کرتے وقت، تفسیر کا رنگ اختیار کر گئے ہیں جو ان کی ناسمجھی کی دلیل ہے۔

* * *

عرب کا مزاج بڑا ہی سخت تھا اس سنگلاخ زمین پر احکام خداوندی کی گل کاری بڑی دشوار تھی اس لئے ایسے احکام کا نزول جو اس مزاج وطبیعت کے لئے گراں بار ہو سکتے تھے خدائے علیم وخبیر نے یکلخت نازل نہیں فرمائے بلکہ دھیرے دھیرے اس سنگ مزاجی کو

دور کیا گیا پھر آخری حکم اتارا گیا۔ رمضان المبارک کے روزے میں یہی انداز نظر آتا ہے۔

① وَاَنۡ تَصُوۡمُوۡا خَيۡرٌ لَّکُمۡ ۔۔۔۔(پارہ ۲، سورہ بقرہ، رکوع ۷)

''اور روزہ رکھنا تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے''۔

جن لوگوں نے اسے بہتر سمجھا روزہ رکھا اور جن کے دل اس خیر کی جانب مائل نہیں ہوئے ان کے کھانے پینے کا شغل جاری رہا۔

اسکے بعد عرب مسلم کو روزہ رکھنے یا فدیہ دینے کا اختیار دیا گیا اور اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

② وَعَلَى الَّذِيۡنَ يُطِيۡقُوۡنَهٗ فِدۡيَةٌ طَعَامُ مِسۡكِيۡنٍ ؕ (پارہ ۲، سورہ بقرہ، رکوع ۷)

''اور جنہیں اسکی طاقت نہ ہو وہ بدلہ دیں ایک مسکین کا کھانا''۔

مالدار طبقہ کھاتا پیتا اور روزہ کا فدیہ دیتا رہا اور مفلس و نادار روزہ رکھتے کیوں کہ انہیں فدیہ کی طاقت نہ تھی۔

③ پھر آیت ''کتب علیکم الصیام'' سے روزہ ہر مکلّف پر فرض قطعی ہوگیا۔ اور وہ اختیار منسوخ ہوگیا۔ لیکن یہاں محل گفتگو آیت ذیل ہے جسکا امام احمد رضا نے فعل مثبت کا منفی ترجمہ کیا۔

وَعَلَى الَّذِيۡنَ يُطِيۡقُوۡنَهٗ فِدۡيَةٌ طَعَامُ مِسۡكِيۡنٍ ؕ (پارہ ۲، سورہ بقرہ، رکوع ۷)

''اور جنہیں اسکی طاقت نہ ہو وہ بدلہ دیں ایک مسکین کا کھانا''۔

اس سلسلہ میں تفسیر جلالین کا یہ بیان ملاحظہ ہو۔

''وعلى الذين لا يطيقو نه لكبر اومرض لا يرجى برؤه فدية هى طعام مسكين''۔

''اور جنہیں اسکی طاقت نہ ہو پیرانہ سالی یا ایسے مرض کے سبب جسکی شفا کی امید نہ ہو وہ بدلہ دیں ایک مسکین کا کھانا'' ——— (تفسیر جلالین، صفحہ ۲۶)

یعنی شیخ فانی یا مریض معذور کے لئے حکم منسوخ نہیں۔

فقہ حنفی کی مستند کتاب ''ہدایہ'' میں ہے۔

''والشخ الفانی الذی لا یقدر علی الصیام یفطر ویطعم لکل یوم مسکینا کما یطعم فی الکفارات والاصل فیہ قولہ تعالیٰ و علی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین قیل معناہ لا یطیقونہ''۔

''اور وہ شیخ فانی جو روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو افطار کرے گا اور ہر دن کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا دے گا جیسا کہ کفارات میں کھانا دیتا ہے اور اصل میں اللہ تعالیٰ کا قول وعلی الذین الخ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسکا معنی ''لا یطیقونۃ'' ہے۔ (ہدایہ، جلد۱، صفحہ۲۲۲)

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت پر حاملہ اور دودھ پلانے والی بھی اس عذر میں داخل ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

''قال ابن عباس الاا لحامل والمرضع اذا افطرتا خوفا علی الولد فانھا باقیۃ بلا نسخ فی حقھما''۔

''ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا سوائے حاملہ اور مرضعہ کے جب بچہ کے خوف پر افطار کریں تو ان کے حق مین بلا نسخ حکم باقی ہے''۔ (جلالین، صفحہ۲۴)

○ امام احمد رضا نے نفی کا ترجمہ کر کے آیت کا حکم باقی رکھا ہے اور اسکی تائید تفسیر و فقہ سے ہوتی ہے۔ اور قرآن کریم کی یہ اعجاز بیانی کہہ لیجئے کہ جو آغاز اسلام میں اہل ایمان کو روزہ رکھنے یا فدیہ دینے کے اختیار پر نازل ہوئی وہ اختیار منسوخ ہو جانے کے بعد بھی معذور مسلمانوں کے لئے اسکا حکم باقی ہے اور یہ حکم مثبت ترجمہ سے حاصل نہ ہوگا۔

مثبت صیغہ ''اطاقت'' سے مشتق ہے۔ جو باب افعال کا مصدر ہے اور اس باب کے خواص میں سے ''سلب ماخذ'' بھی ہے۔ اس بنیاد پر نفی کا ترجمہ بالکل درست ہے۔

اس آیت میں ذرا (مولانا) تھانوی کی ترجمہ نگاری کا رنگ دیکھئے۔

''اور جو لوگ (روزہ کی) طاقت رکھتے ہوں ان کے ذمہ فدیہ ہے (کہ وہ) ایک

غریب کا کھانا (کھلا دینا یا دیدینا ہے)''

○ (مولانا) تھانوی نے اثبات میں ترجمہ کیا جبکہ اس سے اعجاز بیانی کا اظہار نہیں ہوتا ہے۔

○ جو لوگ (روزہ کی) طاقت رکھتے ہوں ـــــ قوسین (برائیکٹ) میں روزہ کا ترجمہ رکھا جبکہ صیغہ ہی میں اس کی ضمیر موجود ہے جسکا مرجع روزہ ہے۔

○ ''ایک غریب کا کھانا'' ـــــ لفظ غریب عوامی بول چال میں تنگدست کے معنی میں بولا جاتا ہے۔

مگر دیوبندی حکیم الامت جیسی قدآور شخص کو لغت و وضع کی حیثیت سے اس لفظ پر غور کرنا تھا۔

دراصل غریب کا معنی انجان، ناآشنا اور پردیسی کے ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے ـــــ **کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل۔**

قرآن میں مسکین کا لفظ ہے جو وضع اور عرف ہر لحاظ سے برمحل ہے، بہتر تھا کہ یہی ترجمہ کردیئے ہوتے۔

***

لفظ ضلال یا ضلالت قرآن عظیم میں متعدد مقامات پر وارد ہوا ہے، جس کے معنی گم ہونا، ضائع ہونا، گمراہ ہونا، غافل ہونا اور مغلوب وغیرہ ہونیکے ہیں اسی بنیاد پر اہل عرب بولتے ہیں۔ **''ضل الماء فی اللبن ای غلب بحیث لا یظهر اثره''**۔

''پانی دودھ میں ایسا گھل مل گیا کہ اسکا اثر دودھ میں ظاہر نہیں ہو رہا ہے''۔

اور کسی بھی معنی کی تعین آیت کے پس منظر، نسبت اور قرینہ سے ہو سکتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آذر کی بت تراشی و بت پرستی اور عرب کی اصنام پرستی یعنی معنیٔ گمراہی کے لئے یہ لفظ بالکل واضح ہے یعنی ایسا ماحول جو توحید کے خلاف اور عقیدہ کی

پراگندگی کی تصویر ہوا سکے لئے یہ لفظ موزوں ہے ـــــ البتہ بعض مقامات پر کفار و مشرکین نے "ضلال" کی نسبت انبیاء کرام کی طرف بھی کی ہے یہ ان کی حماقت و صفاہت ہے دراصل وہ اپنے آبائی دین سے انحراف اپنے رسوم کے خلاف اور انبیاء عظام کی رشد و ہدایت کو گمراہی سے تعبیر کرتے تھے۔

لفظ ضلال کی نسبتوں کے اختلاف سے جو معنوی اختلاف رونما ہوتا ہے حسب ذیل آیت قرآنی سے اسکا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

① حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود اپنی طرف اسکی نسبت فرمائی۔

قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ؁ (پارہ ۱۹، سورہ الشعراء، رکوع ٦)

② رب قدیر نے اپنے محبوب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب اسکی نسبت فرمائی۔ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ؁ (پارہ ۳۰، سورہ الضحیٰ، رکوع ۱۸)

③ فرزندان یعقوب علیہ السلام نے اسکی نسبت اپنے باپ کی طرف کی۔

اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ ؁ (پارہ ۱۲، سورہ یوسف، رکوع ۱۲)

نسبتوں کے اس اختلاف سے جو معنوی اختلاف پیدا ہوتا ہے اسکے لئے کسی بھی قلم کار، ترجمہ نگار کو شریعت اور علم کلام کی روشنی میں پہلے غور کرنا ہوگا پھر ترجمہ کے لئے قلم کو جنبش دینا پڑے گا۔

قرآن پاک کی اس آیت کے پس منظر کی تصویر یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے نور نظر حضرت یوسف علیہ السلام سے بے پناہ محبت تھی اور اسی محبت نے برادران یوسف کے دلوں میں عداوت کی آگ بھڑکا دی اور حضرت یوسف کو کنواں، بازار مصر، تہمت اور قید زنداں کے سخت مراحل سے گزرنا پڑا۔ حضرت یوسف کی گمشدگی و جدائی نے آتش محبت اور تیز کردی اور حضرت یعقوب بے پناہ کرب و اضطراب میں مبتلا ہوگئے جس کے نتیجہ میں شب و روز اشکباری و بیقراری تھی ـــــ اسی غلبۂ عشق و استغراق محبت کی

یہ آیت مکمل تفسیر ہے ـــــــ ایسا بھی نہیں کہ فرزندان یعقوب کے سینے میں توحید کا جلوہ نہ تھا اور باپ کی نبوت کی روشنی نہ تھی پھر بھی اپنے باپ کی طرف ضلال کی نسبت کردی۔ان ابانا لفی ضلال مبین۔اس آیت کا فاضل بریلوی نے جو حسین ترجمہ کیا ہے اسے ملاحظہ کیجئے۔

"بے شک ہمارے باپ صراحۃً ان کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں"۔

صراح جو ایک مستند لغت ہے۔لفظ ضلال کی تشریح کرتے ہوئے اسکا معنی مغلوب ہونا بھی بتایا ہے اور مثال میں یہی آیت پیش کی ہے چنانچہ وہ کہتا ہے۔

ومنه قوله تعالیٰ" حكاية عن اخوة يوسف ان ابانالفی ضلال مبين" ای مغلوب فی محبتهما يعنی فی محبة يوسف واخية۔

برادران یوسف کی حکایت کرتے ہوئے قرآن عظیم کی یہ آیت ـــــــ "یعنی یوسف اوران کے حقیقی بھائی کی محبت میں خودرفتہ ہیں"۔(صراح،صفحہ ۴۳۴)

○ ترجمہ کی شگفتگی و برجستگی سے صاحب کنزالایمان کی ادبی مہارت اورالفاظ کے صحیح استعمال کی قدرت کا اندازہ ملتا ہے اوراس چیز کی بھی وضاحت ملتی ہیکہ یہاں ضلال معنی گمراہی وغلطی کے نہیں بلکہ خودرفتگی کے ہیں جس میں آداب پیغمبری کالحاظ بھی اور وقار نبوت کا پاس بھی۔

اس آیت سے متعلق (مولانا) تھانوی کے رشحات قلم کے نقائص کو بھی ذرا دیکھئے

"واقعی ہمارے باپ کھلی غلطی میں ہیں"۔

○ دیکھ رہے ہیں آپ (مولانا) تھانوی ایک پیغمبر کی محبت فرزندی کو غلطی سے تعبیر کررہے ہیں کیا یہ جذبہ ایمانی ہے ؟

نبی اور غلطی کوئی مسلمان یہ سوچ بھی نہیں سکتا ـــــــ شاید آپ کہیں کہ یہ بات (مولانا) تھانوی کی نہیں بلکہ فرزندان یعقوب کہہ رہے ہیں تو آپ کی یہ زبردست بھول ہے کیوں کہ پسران یعقوب نے تو لفظ ضلال کی طرف منسوب کیا تھا۔اور (مولانا) تھانوی سے اس لفظ کا صحیح ترجمہ نہ ہوسکا معنوی پیچ میں الجھ کررہ گئے۔

اسی لفظ ضلال سے متعلق ایک اور آیت ملاحظہ کیجئے جو ایک کھلے کافر کی طرف منسوب ہے۔ کنزالایمان کا شستہ ترجمہ دیکھئے۔

اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (پارہ ۷، سورہ انعام، رکوع ۱۵)

''بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں پاتا ہوں''۔

آزر جو عہد ابراہیم علیہ السلام کا ایک صنم تراش تھا اس نے بت پرستی کو اپنا شیوہ زندگی بنالیا تھا۔ اور بتوں کو الوہیت کا درجہ دے رکھا تھا وہ ایک گمراہ، بددین شخص تھا ——— قرآن کے انداز بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ تنہا بت پرستی کا مجرم نہ تھا بلکہ بت پرستی کا سرغنہ تھا۔

○ آیت مقدسہ میں لفظ ضلال ایک بت پجاری کی طرف منسوب ہے لہذا اسکا معنی گمراہی سے کرنا بالکل قرآنی مزاج کے عین مطابق ہے۔

○ آیت میں ''انی ارا'' فعل سے جڑے کاف خطاب اور قوم دو مفعول ہیں۔ صاحب کنزالایمان نے پہلے مفعول کا ترجمہ ''تمہیں'' اور دوسرے میں علامت مفعول ''کو'' ظاہر کیا تاکہ تکرار علامات سے ذوق سلیم پر بار نہ گزرے اور سلاست میں بھی فرق نہ آئے۔

○ ''ارا'' فعل جو رویت سے مشتق ہے اسکا تقاضا تو یہ تھا ''دیکھنا'' ترجمہ کرتے لیکن اسکا ترجمہ ''پانا'' کیا گیا ہے کہ گمراہی میں دیکھنے سے گمراہی میں پانا زیادہ بلیغ ہے۔

اس آیت کے ترجمہ میں (مولانا) تھانوی کے آشفتہ مزاج قلم کا رنگ دیکھئے۔

''بے شک میں تجھ کو اور تیری ساری قوم کو صریح غلطی میں دیکھتا ہوں''۔

سیدنا یعقوب علیہ السلام کے لئے یہی لفظ وارد ہوا تو وہاں کھلی غلطی ——— اور آزر صنم پرست کیلئے وہی لفظ آیا تو صریح غلطی ——— یعنی ایک معصوم نبی اور ایک سڑا ہوا کافر ——— دونوں کے لئے ترجمہ کا ایک ہی رنگ ''ناطقہ سر بگریباں ہے''۔

آخر آزر نے حکیم الامت کو بھاری رشوت تو نہیں دیدی تھی کہ کفر کو محض غلطی سے

تعبیر کرتے۔

(مولانا) تھانوی اگر آیت میں دونوں مفعول کی علامت کو ظاہر نہ کرتے تو عبارت اور شستہ ہو جاتی۔

* * *

اسی لفظ ضلال کو رب تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب فرمایا ــــ امام احمد رضا کا شگفتہ وعقیدت سے بھرا ترجمہ دیکھئے ساتھ ہی ساتھ لفظ کا برمحل استعمال اور مقام نبوت کے بھرپور لحاظ کا بھی نظارہ کیجئے۔

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ (پارہ ۳۰، سورہ والضحیٰ، رکوع ۱۸)

"اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی"۔

اب ذرا (مولانا) تھانوی کا ترجمہ بھی پڑھیے۔

"اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو (شریعت سے) بے خبر پایا سو (آپ کو شریعت کا) راستہ بتلا دیا"۔

یہاں پر ذرا (مولانا) مودودی کا رنگ ترجمہ میں ملاحظہ کر لیجئے۔

"اور تمہیں ناواقف راہ پایا اور پھر ہدایت بخشی"۔

(مولانا) تھانوی و مودودی میں بڑی حد تک قلمی یکسانیت ہے صرف لفظ میں ذرا ردّوبدل ہے اس نے بے خبر بتایا اور اس نے ناواقف لکھا ــــ حق تو یہ ہے کہ دونوں شعور سے نابلد تھے مقام نبوت کا لحاظ رکھتے ہوئے کوئی مناسب لفظ استعمال نہ کر سکے۔ جو رسول کہ سراپا ہدایت بن کر مبعوث ہوئے پھر شریعت سے بے خبری اور راہ سے ناواقفی کیسی ــــ؟ پھر اللہ نے انہیں ہدایت کیوں بخشی ــــ؟ ایک فطری سوال پیدا ہوتا ہے۔

* * *

عرب کے کفار ومشرکین ایسے سنگ دل اور سیاہ قلوب کے تھے کہ ان میں توحید و

رسالت کی تعلیم اثر ہی نہیں کرتی تھی جب یہ دیکھا گیا کہ وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں تو ان پر خدا کا یہ قہر نازل ہوا۔

ختم اللہ علی قلوبھم و علی سمعھم۔ (پارہ ا، سورہ بقرہ)

"اللہ نے اس کے دلوں پر اور کانوں پر مہر کر دی"۔

کنز الایمان کا یہ صاف ستھرہ ترجمہ اور ختم کے معنی مہر کرنا بر موقع ومحل پر استعمال ہوا ہے۔اب (مولانا) تھانوی کی ترجمہ جدت پسندی ملاحظہ کیجئے۔

"بند لگا دیا ہے اللہ نے ان کے دلوں اور ان کے کانوں پر"

- (مولانا) تھانوی نے تحت اللفظ ترجمہ کر کے جملہ کی صورت بگاڑ دی۔
- "بند" کے معنی جوڑ، گرہ، گانٹھ، بندھن اور قید وغیرہ کے ہیں یہاں پر "ختم" کی عکاسی لفظ "بند" سے نہیں ہوتی ہے ——— ساتھ ہی ساتھ "ختم" ماضی مطلق کا صیغہ ہے اور ترجمہ ماضی قریب کا یہ کیا تماشہ ہے ———؟

کفار کی بدگوئی اور ایذا رسانی سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر نازک پر صدمہ گزرتا تھا اللہ نے آپ کی ڈھارس بندھائی اور تسلی دی اور فرمایا۔

فَاِنْ یَّشَاِ اللّٰهُ یَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ؕ (پارہ ۲۵، سورہ شوریٰ، رکوع ۴)

"اور اللہ چاہے تو تمہارے دل پر اپنی رحمت وحفاظت کی مہر فرما دے"۔

تفسیر جلالین کا بیان ہے کہ اللہ نے اپنی حفاظت کی مہر فرما بھی دی چنانچہ حدیث میں ہے۔"روی عن مجاھد انہ قال یربط علی قلبک با لصبر حتی لایشق علیک اذاھم"۔ (حاشیہ تفسیر جلالین، حاشیہ ۱۷، صفحہ ۴۰۳)

اس آیت پاک کے سلسلے میں ذرا (مولانا) تھانوی کا رنگ ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔

"سو خدا اگر چاہے تو آپ کے دل پر بند لگا دے"۔

خدا نے کفار کے دلوں پر بھی بند لگا دیا اور اپنے رسول کے دل پر بھی ——— اور یہ

صرف امکانی پہلو نہیں بلکہ وقوع ہے جیسا کہ یہاں گذرا ـــــ اب (مولانا) تھانوی فیصلہ کریں کہ آخر دونوں میں وجہ فرق کیا ہے ـــــ؟ یوں اس "بند" سے دیوبند کا مزاج ہمیں معلوم ہے۔

ابنیاء کرام معصوم ہوتے ہیں اور عصمت پر سب کا اتفاق ہے یہ نفوس قدسیہ کائنات میں اس لئے مبعوث ہوئے تاکہ وہ خلق کو رشد و ہدایت کریں ان کی جبلت ہی میں یہ پاکیزہ جوہر خداوند قدوس نے ودیعت فرمایا ہے کہ وہ کفر کے اندھیرے سے دور اور گناہ کی آلودگی سے پاک رہیں۔

گناہ و معصیت پر قدرت کے باوجود باری تعالیٰ نے ان کی ایسی حفاظت فرمائی ہے کہ وہ ہر قبیح چیز سے محفوظ رہتے ہیں گناہ کبیرہ سے علی الاطلاق ـــــ اور خصوصاً ان گناہوں سے مامون رہتے ہیں جو انسان کیلئے باعث نفور ہوں ـــــ شرح عقائد، فقہ اکبر، تفسیرات احمدیہ، شفا شریف اور اسکی شرح نسیم الریاض وغیرہ میں اس کی مکمل تصریح موجود ہے۔

چنانچہ صاحب روح البیان "ما کنت تدری ماالکتاب ـ ـ ـ" الخ کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں۔

"فان اهل الاصول اجتمعوا على ان الرسل عليهم السلام كانوا مومنين قبل الوحى معصومين من الكبائر ومن الصغائره الموجبة لنفرة الناس عنهم قبل البعثة وبعدها فضلاً عن الكفر"۔

"اہل اصول کا اس پر اجماع ہے کہ رسولان عظام قبل وحی مومن تھے گناہ کبیرہ سے معصوم اور ان صغائر سے بھی جو لوگوں کی نفرت کا باعث ہوں نبوت سے قبل معصوم تھے اور بعد نبوت بھی یہ چہ جائے کہ کفر (العیاذ باللہ)" (تفسیر روح البیان، جلد الثاس، صفحہ ۳۴۷)

اس بنیادی عقیدہ کے برخلاف جن احادیث سے انبیاء کرام کا گناہ ثابت ہوسکتا

ہے اگر وہ متواتر و قطعی نہیں بلکہ خبر مشہور و خبر واحد ہیں ـــــ سب مردود و ناقابل اعتبار ہیں اگر وہ قرآنی آیات یا متواتر روایات ہیں جن سے دامان رسالت کے آلودہ ہوجانے کا امکان ہے ـ ـ تو اس صورت میں ان کے ظاہری معنی مراد نہیں بلکہ سب واجب التاویل ہوں گے ـ

چنانچہ ملا احمد جیون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تفسیر ''تفسیرات احمدیہ'' میں ''لا ینال عھدی الظالمین'' کے تحت فرماتے ہیں ـ

''واذا تقرر ھذا فما نقل عن الانبیاء مما یشعر بکذب او معصیۃ فما کان منقولا بطریق الا حاد فمر دود وما کان منقولا بطریق المتواتر مصروف عن ظاھرہ'' ـ ـ ـ الخ

''جب یہ ثابت ہوگیا تو جو انبیاء کرام سے منقول ہے اگر اس سے کذب یا معصیت سمجھ میں آتی ہے اگر یہ منقول بطریق آحاد ہے تو مردود ـــــ اگر بطریق متواتر ہے تو اس کے ظاہری معنی مراد نہیں'' ـ (تفسیرات احمدیہ، صفحہ ۳۳)

عصمت انبیاء کے اس بنیادی عقیدہ کی روشنی میں آیت ذیل اور کنز الایمان کا ایمان و عرفان سے لبریز ترجمہ ملاحظہ کیجئے ـ

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿۷۶﴾ (پارہ ۷، سورہ انعام، رکوع ۱۵)

''پھر ان پر جب رات کا اندھیرا آیا ایک تارہ دیکھا بولے اسے میرا رب ٹھہراتے ہو پھر جب وہ ڈوب گیا بولے مجھے خوش نہیں آتے ڈوبنے والے'' ـ

صراح میں ہے جن و جنون پوشیدن ''یقال جن علیہ اللیل'' و ''جنان اللیل'' تاریک شدن شب، رات کا اندھیرا ہونا ـ

- امام احمد رضا نے اردو زبان و ادب کے سادہ الفاظ میں کتنا سلیس بامحاورہ ترجمہ کیا ہے ـ
- ''ستارہ'' نہ لکھا بلکہ اسکی جگہ میں اسکا متبادل لفظ ''تارہ'' لائے کیوں کہ ستارہ ایک

باجے کا بھی نام ہے۔

○ ''قال'' جس کے فاعل حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اسکا ترجمہ ''آپ نے فرمایا'' نہ کیا اسمیں طوالت بھی ہے اور تکلف بھی بلکہ ایک سادہ لفظ سے کیا ''بولے''۔

○ ''اسے میرا رب ٹھہراتے ہو'' ــــــ یہاں ہر عاقل کو خلجان ہوگا کہ یہ آخر کس لفظ کا ترجمہ ہے ــــــ؟

اس آیت کریمہ کا پس منظر پہلے ''مدارک التنزیل'' کی روشنی میں ملاحظہ کیا جائے۔صاحب مدارک فرماتے ہیں۔

''وکان ابوہ وقومه یعبدون الاصنام والشمس والقمر والکواکب فاراد ان ینبهم علی الخطاء فی دینهم وان یرشد هم الی طریق النظر والاستدلال ویعرفهم ان النظر الصحیح مؤد الیٰ ان شیئا منها لیس باله لقیام دلیل الحدوث'' الخ...

''سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے باپ اور ان کی قوم چاند، سورج، ستارے اور بتوں کی پوجا کرتے تھے تو آپ نے چاہا کہ انکی مذہبی خطاء پر انہیں تنبیہ کریں اور نظر و استدلال کے طریقہ پر انہیں ہدایت فرمائیں اور اس چیز کی شناخت کرائیں کہ نظر صحیح کا تقاضا ہیکہ ان میں کوئی بھی معبود نہیں کیونکہ یہ سب حادث ہیں''۔ (مدارک التنزیل، الجزالثانی، صفحہ ۱۹، ۲۰)

پھر تاریخ سے اس حقیت کا بھی سراغ ملتا ہے کہ اس محاسبہ کے وقت ان کی عمر کیا تھی ــــــ؟ علامہ صاوی فرماتے ہیں۔

''والصحیح انه بعدالبلوغ وایتاء الرسالة وما وقع من ابراهیم انما هو مجازاة لقومه واستدراج لهم لا جل ان یعرفهم جهلهم و خطاء هم فی عبادة غیر الله ولیس اثبات الربوبیة لهذه الاجرام علی حقیقة حاشا من ذالک لان الانبیاء معصومون من الجهل قبل النبوة وبعدها لان توحید هم

بالشھود علی طبق ما جبلت علیه ارواحھم من یوم "الست بر کم"۔

"صحیح یہ ہے کہ رسالت ملنے اور بلوغ کے بعد کا یہ واقعہ ہے خلاصہ ء کلام یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چاہا کہ غیر اللہ کی عبادت کے سلسلے میں قوم کو اسکی جہالت و غلطی کی معرفت کرائیں اجرام فلکی کی ربوبیت ثابت کرنا مقصود نہیں۔ حاشا انبیاء کرام قبل نبوت و بعد نبوت جہل سے معصوم ہیں ان کی توحید، مشاہدہ کی وجہ سے اور "یوم الست بربکم" ہی سے ان کی روح مقدسہ اسی جبلت پر ہیں"۔ (تفسیر صاوی، جلد ۲، صفحہ ۲۴)

لہذا عصمت انبیاء کے ضابطہ اور تفسیر کی روشنی میں امام احمد رضا نے ایسا ترجمہ کیا تا کہ ایک برگزیدہ رسول کے عقیدہ توحید پر حرف نہ آئے۔

نیز صاحب جلالین نے اس آیت کی تفسیر میں "ای فی زعمکم" کا اضافہ کر کے یہ وضاحت کردی کہ یہ عقیدہ ستارہ پرستوں اور چاند سورج کے پجاریوں کا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نہیں ـــــــــ اجرام فلکی کو معبود بنانے والوں کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے حضرت ابراہیم نے فرمایا ـــــــ اپنی طرح ان چاند، سورج اور ستاروں کو میرا رب ٹھہراتے ہو حالانکہ وہ میرا رب نہیں۔

کیوں کہ "مجھے خوش نہیں آتے ڈوبنے والے" ـــــــ خوش نہیں آتے ڈوبنے والے، اس عبارت کو علم عروض کی میزان پر رکھ دیکھئے ـــــــ "حب" کا ترجمہ دوستی سے نہیں کیا گیا کہ دوستی سے پہلے پسندیدگی ہوتی ہے۔ یہاں حضرت خلیل کو ڈوبنے والے پسند ہی نہیں تو پھر ان سے دوستی کا کیا سوال ہے ـــــــ؟

اس آیت کے سلسلے میں (مولانا) تھانوی کے ترجمہ پر اک نظر ڈالتے چلیں کہ اولوالعزم رسول کے دامن عصمت پر اپنے قلم سے کیسی ضرب لگائی ہے ـــــــ؟

"پھر جب رات کی تاریکی ان پر چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ کو دیکھا تو آپ نے فرمایا یہ میرا رب ہے جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا میں غروب ہو جانے والوں

کو دوست نہیں رکھتا''۔

○ تاریکی اور غروب سے سادہ وسہل الفاظ اندھیرا اور ڈوبنا جیسے متبادل وموزوں الفاظ استعمال کرتے تو ترجمہ میں اس سے زیادہ حسن پیدا ہو جاتا۔

○ غائب کے صیغہ میں ایک جگہ ''انہوں نے ایک ستارہ کو دیکھا'' اور ایک جگہ ''آپ نے فرمایا'' اس قسم کے ترجمہ سے (مولانا) تھانوی کے ذوق سقیم اور مفلوج ادبی انداز کا پتہ لگتا ہے۔

خیر یہ اردو ادب کی گفتگو ہے ــــــ (مولانا) تھانوی کے بیمار ترجمہ میں سب سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ انبیاء کرام کے بارے میں سارے اسلامی وشرعی اصول کو انہوں نے نظر انداز کر دیا اور ایسا ترجمہ کر گئے جس سے رسول کی پاکدامنی مجروح اور غبار آلود ہو کر رہ گئی۔

* *

''عود'' جس کے معنی صراح وغیاث میں بازگشتن کے لکھا ہے اسی لفظ سے عید عادت اور اعادہ جیسے الفاظ کی شکل بنی ہے کسی فعل کے ارتکاب کے بعد پھر اسی فعل کی طرف لوٹنے کو بازگشتن سے تعبیر کرتے ہیں۔

اس لئے آواز کو جو کسی شئی سے ٹکرا کر لوٹتی ہے بازگشت کہا جاتا ہے اس لفظ کے اشتقاق کو مندرجہ ذیل آیت میں ملاحظہ کیجئے۔

وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ (پارہ ۹، سورہ انفال، رکوع ۱۶)

''اور اگر باز آؤ تمہارا بھلا ہے اور اگر تم پھر شرارت کرو تو ہم پھر سزا دینگے''۔ (کنزالایمان)

میدان بدر میں کفار ومشرکین کی شکست ہو چکی تھی شدید ضرب کاری کے بعد ان کے زخم تازہ تھے اور سینوں میں آتش انتقام بھڑک رہی تھی ــــ وہ پیچ وتاب کھا رہے تھے اور پھر جنگ وقتال کا منصوبہ بنا رہے تھے ــــ آیت پاک میں انہیں ضرب وحرب سے باز رہنے کا مشورہ بھی ہے اور انتباہ بھی ــــ!

چنانچہ جلالین شریف میں ہے۔

"وان تنتهوا عن الكفر والحرب فهو خير لكم"۔ (جلالین، صفحہ ۱۴۹)

اور جامع البیان میں ہے۔

"او ان تعودوا (الى الكفر والمحاربة) نعد(لكم بمثل وقعة بدر)"

(جامع البیان برحاشیہ جلالین، صفحہ ۱۴۷)

○ امام احمد رضا نے آیت مقدسہ کا برجستہ ترجمہ کر کے پس منظر کی عکاسی فرمائی ہے۔

○ "خیر" کا ترجمہ "بھلا" کر کے عام بول چال کی ترجمانی کی ہے کہ باز رہنے میں تمہارا بھلا ہے خیرت اسی میں ہے۔

○ عود کا معنی اس مقام پر بازگشتن ہی درست ہے اگر چہ دوسرے مقام پر یہ معنی لینے میں انبیاء کا تقدس مجروح ہوتا ہے جیسا کہ آگے اسکی تصریح آرہی ہے۔

○ آیت مبارکہ میں عود کی نسبت کافروں کی طرف بھی ہے اور باری تعالیٰ کی جانب بھی۔ امام احمد رضا نے دونوں کا بھرپور لحاظ رکھا ہے چنانچہ کافروں کی پھر کفر و جنگ کی طرف واپسی کو شرارت سے اور باری تعالیٰ کیجانب سے ان پر ضرب کاری کو سزا سے تعبیر فرمائی ہے۔

اب اسی تناظر میں (مولانا) تھانوی کی بھونڈی ترجمانی ملاحظہ کیجئے۔

"اور اگر باز آجاؤ تو یہ تمہارے لئے نہایت خوب ہے اور اگر تم پھر (وہی کام) کروگے تو ہم بھی پھر (وہی کام) کرینگے۔

○ اس موقع پر پس منظر کے لحاظ سے "نہایت خوب" ترجمہ کرنا بے محل ہے۔

○ قوسین کا غبار عارض ترجمہ سے پوچھ ڈالئے تو ترجمہ کا اصلی چہرہ کچھ اسطرح نمودار ہوتا ہے ———

"اگر تم پھر کروگے تو ہم بھی پھر کریں گے"

شاید انہیں مواقع کے لئے غالب نے کہا تھا۔

آگہی دام شنیدن جسقدر چاہے بچھائے
مدعا عنقا ہے مرے عالم تقریر کا۔

اہل کفر پھر کیا کریں گے اور رب تعالیٰ پھر کیا کرے گا ــــــ؟ اس بنیادی سوال کی وضاحت نہیں۔

○ اور اگر قوسین کے ساتھ ترجمہ کو بھی مربوط کردیا جائے تو مفہوم یہ پیدا ہوگا کہ جو کام کفار کریں گے خداوند قدوس بھی وہی کام کرے گا ــــ تو فعل کفار تو رسول دشمنی و جنگ وقتال ہے تو کیا معاذ اللہ رب قدیر بھی............کس قدر ایمان سوز منظر ہے ــــ؟

○ (مولانا) تھانوی کی طرف سے یہ صفائی دی جاسکتی ہے کہ فعل کفار میں شرارت ہوتی ہے اور فعل باری سے سزا و جزا کا ظہور ہوتا ہے۔ یہ اسکی شان کے لائق ہے۔ عرض کروں گا کہ ترجمہ میں اسی نکتہ کی وضاحت درکار تھی جو (مولانا) تھانوی سے نہ ہوسکی۔

عصمت انبیاء سے متعلق ایک اور آیت ملاحظہ کیجئے۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ۔ (پارہ ۹، سورہ اعراف، رکوع ۱)

فاضل بریلوی کا سلیس اور خوبصورت ترجمہ ملاحظہ کیجئے اور ساتھ ہی ساتھ عصمت نبی کا جو لحاظ رکھا گیا ہے وہ بھی دیکھئے۔

"اس کی قوم کے متکبر سردار بولے اے شعیب قسم ہے کہ ہم تمہیں اور تمہارے ساتھ والے مسلمان کو اپنی بستی سے نکال دینگے یا تم ہمارے دین میں آجاؤ"۔

اس ترجمہ کا ادبی و شرعی جائزہ لئے بغیر (مولانا) تھانوی کی مفلوج ترجمہ نگاری اور ان کے اپاہج عقیدہ کو دکھانا چاہتا ہوں تا کہ کنزالایمان کے حسن بیان اور خالص عقیدہ کو محسوس کرسکیں۔ لیجئے (مولانا) تھانوی کا ترجمہ پڑھئے۔

"ان کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا کہ اے شعیب ہم آپ کو اور جو آپ کے

ہمراہ ایمان لانے والے ہیں ان کو اپنی بستی سے نکال دیں گے یا (یہ ہو کہ) تم ہمارے مذہب میں پھر آجاؤ"۔

○ لنخرجنک۔ اس میں لام قسمیہ ہے (مولانا) تھانوی اسے فراموش کر گئے۔

○ اس ترجمہ پر اگر ہم نحوی اعتبار سے غور سے کریں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے۔

"اے شعیب آپ کو" یہ فعل متکلم کا مفعول اول ہے۔

"جو آپ کے ہمراہ ایمان لانے والے ہیں" یہ جملہ مفعول ثانی ہے۔

مگر اس جملہ کا (مولانا) تھانوی کچھ اس انداز سے ترجمہ کر گئے کہ اس میں "علامت مفعولی" کو ظاہر کرنے کی گنجائش نہ رہی تو پھر انہیں "ان کو" پیوند جوڑنا پڑا ——— افسوس اگر وہ "ایمان والوں یا مسلمانوں" جیسے الفاظ سے ترجمہ کر دیتے تو یہ نوبت نہ آتی۔

○ "ہمراہ" کا لفظ یہاں پر بے محل ہے کیوں کہ اس سے یہ خیال جنم لیتا ہے کہ یہ لوگ حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ ایمان لائے تھے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ مقصد صرف اتنا ہے کہ حضرت شعیب اور مسلمانوں کی جو ایک جماعت تھی قوم کے سردار انھیں اپنی بستی سے نکال دینے کی دھمکی دے رہے تھے۔

○ "ایمان لانے والے ہیں" ——— اس ترجمہ سے یہ مفہوم ابھرتا ہے کہ بات زمانۂ مستقبل کی ہے جب کہ آیت میں زمانہء ماضی کا ذکر ہے ——— یعنی ایمان لا چکے ہیں۔

○ "تم ہمارے مذہب میں پھر آجاؤ" ——— ترجمہ میں کہیں "آپ" اور کہیں "تم" عجب دورنگی ہے۔

عصمت انبیاء کے سلسلہ میں ہماری توضیحات گذری ہیں ان کی روشنی میں اس بات پر غور کیجئے کہ (مولانا) تھانوی کا ایک نبی کے بارے میں یہ لکھنا "تم ہمارے مذہب مین پھر آجاؤ" کہاں درست ہے ———؟

اس جملہ کا صاف اور صریح مطلب یہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم

کے کفر وشرک میں پہلے شریک تھے پھر کفر سے علیحدہ ہو کر توحید ورسالت کا درس دینے لگے اور ہدایت فرمانے لگے ـــــــ حاشا ایسا ممکن ہی نہیں ہے ـــــــ حق تو یہ ہے کہ (مولانا) تھانوی کی فحش غلطی ہے۔

اگر (مولانا) تھانوی علامہ صاوی کا حاشیہ علی الجلالین ہی دیکھ لیتے تو شاید یہ فحش غلطی واقع نہ ہوتی۔ چنانچہ علامہ صاوی فرماتے ہیں۔

''لان شعيبا لم يكن فی ملتهم قط جواب عما يقال ان شعيبا لم يسبق له الدخول فی ملتهم انما حمل المفسر علی هذا الجواب تفسيره العود بالرجوع وقال بعضهم ان عادتاتی بمعنی صار وعلی هذا فلا اشكال و لا جواب''۔ (صاوی۔ جلد۲، صفحہ۸۱)

بے شک حضرت شعیب علیہ السلام ان کے دین پر کبھی تھے ہی نہیں وہ اس سوال کا جواب ہے کہ حضرت شعیب پہلے ہی سے ان کے دین میں داخل نہیں تھے اس لئے مفسر نے عود کی تفسیر رجوع سے کی اور بعض نے کہا کہ ''عاد'' افعال ناقصہ میں سے ہے صار کے معنی میں آتا ہے تو اس پر اب اشکال پیدا نہیں ہوتا۔

عاد فعل ناقص صار کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے عاد زید غنیاً (زید مالدار ہو گیا) اور فعل تام بھی ہے بمعنی رجع جیسے عاد زید (زید لوٹ گیا)

آیت مذکورہ میں فعل ناقص کا مضارع ہے اور (مولانا) تھانوی اسے فعل تام کا مضارع سمجھ کر ترجمہ کر گئے اور یہ معنوی خطا واقع ہوئی۔

اس طرح کی اور بھی آیات قرآنی ہیں جن کا غلط وفحش ترجمہ کر کے عصمت انبیاء کو مجروح کیا ہے میں انہیں طوالت کے خوف سے قلم انداز کرتا ہوا اب اس آیت کو پیش کرتا ہوں جس میں (مولانا) تھانوی نے شان باری تعالیٰ کو بھی اپنی نوک قلم سے نشانہ بنایا ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ (پارہ ۳، سورہ ال عمران، رکوع ۱۵)

"اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے"۔ (کنز الایمان)

اک طائرانہ نگاہ (مولانا) تھانوی کے ترجمہ پر بھی ڈالتے چلیں۔

"اللہ جانتے ہیں اور تم (پورا پورا) نہیں جانتے"۔

○ دیو بندیوں کی عجب مت ہے کہ اللہ واجب الوجود جل شانہ جو ہر اعتبار اور ہر جہت سے واحد ہے اس کیلئے جمع کا صیغہ استعمال کرتے ہیں اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اس سے تعظیم مقصود ہے ان سے اگر پوچھئے کہ اس تعظیم میں معاذ اللہ اگر چند خداؤں کا وہم پیدا ہو جائے تو پھر توحید رخصت اور ایمان کا بھی خاتمہ ـــــ خیر اس مسئلہ پر ہم پھر مکمل گفتگو کرینگے۔ انشاء اللہ

○ بے ضرورت قوسین، ترجمہ کے راستہ میں رکاوٹ ہے جس کی وجہ سے سلاست بے پناہ متاثر ہوتی ہے ـــــ علم باری تعالیٰ کے مقابلہ میں تو بندہ کا علم صفر درجہ بھی نہیں۔ لہذا اس قوسین کا استعمال بے ضرورت و بے محل ہے۔

تحویل قبلہ ہوگئی تھی اور یہ صورت حال قریباً سولہ یا سترہ مہینے تک باقی رہی لیکن سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ کعبہء معظّمہ ہی قبلہ رہے اس مقدس خواہش میں بار بار آپ کی نگاہ اقدس آسمان کی جانب اٹھ رہی تھی محبوب پاک کی مرضی تھی رب قدیر نے عین حالت نماز میں تحویل قبلہ کا حکم صادر فرمایا لیجئے اس شان نزول پر آیت ملاحظہ کیجئے۔

وما جعلنا القبلة التی کنت علیها الا لنعلم من یتبع الرسول و ممن ینقلب علی عقبه۔ (پارہ ۲، سورہ بقرہ، رکوع ۱)

پہلے "کنز الایمان" کا خوبصورت اور معنی خیز ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔

"اور اے محبوب تم پہلے جس قبلہ پر تھے ہم نے وہ اس لئے مقرر کیا تھا کہ دیکھیں کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھرتا ہے"۔

"دیکھیں" امام احمد نے علم بمعنی دانستن کا ترجمہ "دیکھنا" کی کیا ہے اور یہ ترجمہ صحیح ہے۔

کیوں کہ علم کلام کی روشنی میں حیات، قدرت اور علم یہ خداوند قدوس کی ذاتی

صفات ہیں جو ایک لمحہ کے لئے بھی اس کی ذات سے منفک نہیں ہوسکتیں ورنہ اسکا نقیض لازم آئے گا جو بالترتیب، موت، عجز اور جہل ہے اور ساری چیزیں اس کے لئے محال بالذات ہیں لہذا علم کا ترجمہ دیکھنے سے کیا گیا تاکہ علم الٰہی کی نفی لازم نہ آئے۔

یہ اک اشکال تھا کہ جلالین نے ''علم ظہور'' سے تعبیر فرمایا اور علامہ صاوی نے یہ فرمایا۔

''جواب عما یقال ان علم اللہ قدیم فلا یتجد دو المعنی لیظھر لکم متعلق علمنا بتمییز المؤ من من الکافر''۔

''یہ اس سوال کا جواب ہے کہ علم الٰہی قدیم ہے تجدد پذیر نہیں مطلب یہ ہے کہ مومن وکافر کا امتیاز ہمارے متعلق علم سے تمہارے لئے ظاہر ہوجائے''۔ (صاوی، جلد ۱، صفحہ ۶۱)

اور علامہ بیضاوی فرماتے ہیں۔

''الا لنمتحن الناس ونعلم من یتبعک فی الصلوۃ الیھا ممن یرتد عن دینک''۔

''یعنی تاکہ ہم اس کے ذریعہ لوگوں کا امتحان لیں اور دیکھیں کہ نماز میں قبلہ کے سلسلہ میں کون آپکی پیروی کرتا ہے اور کون آپکے دین سے پھر جاتا ہے''۔ (بیضاوی شریف، صفحہ ۱۱۳)

اس پر شیخ زادہ علی البیضاوی کا یہ ایمان افروز بیان بھی ملاحظہ کیجئے۔

''ان المراد بالعلم المتفرع علی تحویل القبلہ و نحوہ وھو علم الرسول صلی اللہ علیہ وسلم والمو منین لکنہ تعالیٰ اسند ذالک العلم الیٰ نفسہ اسناد امجازیا''۔

''تحویل قبلہ وغیرہ پر جو علم متفرع ہے اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا علم مراد ہے لیکن خداوند قدوس نے مجازاً اس علم کی اسناد اپنی جانب فرمائی ہے''۔

بہر حال آیت مبارکہ میں اس علم سے ''علم ظہور'' جسے آپ ''دیکھنا'' کہہ لیں یہی مراد ہے اس اعتبار سے صاحب کنز الایمان نے تفسیر وعلم کلام کی روشنی میں برجستہ اور برمحل

ترجمہ کیا جس میں کوئی اشکال نہیں ـــــ ساتھ ہی ساتھ ''فرہنگ آصفیہ'' جو ایک لغت ہے اس میں ''دیکھنے'' کا معنی بیان کرتے ہوئے اسکا معنی ''مشاہدہ کرنا، آزمانا، امتحان کرنا، جانچنا اور پرکھنا بھی لکھا ـــــ اور یہ آیت مذکورہ میں مراد ہے۔

اب ذرا (مولانا) تھانوی کا عقیدہ سوز ترجمہ بھی دیکھئے۔

''اور جس (سمت) قبلہ پر آپ رہ چکے ہیں (بیت المقدس) وہ تو محض اس لئے تھا کہ ہم کو معلوم ہو جائے کہ کون رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اتباع اختیار کرتا ہے اور کون پیچھے کو ہٹتا جاتا ہے''۔

- ترجمہ میں قوسین (برائیکٹ) کی بے وجہ بھیڑ ہے۔
- ترجمہ میں غیر ضروری الفاظ کی بیجا فراوانی ہے۔
- ترجمہ الفاظ قرآنی سے ہٹ کر کیا گیا ہے جو ضابطۂ ترجمہ نگاری کے خلاف ہے۔
- ادب سے بڑی غلطی تو یہ ہے کہ علم کا ترجمہ ''دانستن'' کر کے خدائے تعالیٰ کی جہالت ثابت کیا ہے۔ (العیاذ باللہ)

''یتبـــع''فعل کا مصدر نکال کر''اتباع''ترجمہ کیا اور مزید ایک لفظ''اختیار'' کا اضافہ کر دیا۔

دراصل (مولانا) تھانوی نے جہاں جہاں علم کا لفظ دیکھا ''دانستن'' ترجمہ کرتے چلے گئے کیوں کہ لغات میں یہ معنی لکھاہ اور یہ نہ دیکھا کہ ایسے ترجمہ سے کیا کیا قباحت لازم آئے گی اور کس کس ذات پر ضرب پڑے گی۔

میرا یہ دعویٰ نہیں بلکہ عین حقیقت ہے کہ ''کنزالایمان'' سے بہتر حسن معنی اور حسن بیان کے لحاظ سے کوئی ترجمہ ہے ہی نہیں مگر شرط یہ ہے کہ نگاہ حق پسندی سے اسے دیکھا اور پڑھا جائے۔